رُوداد

1۔ محفلِ مشاعرہ کی رُوداد (بورڈ 2009-2008)

برصغیر پاک و ہند میں مشاعرے کی روایت بڑی پرانی ہے۔ مشاعرے جہاں شعرائے کرام کی فنی عظمت کے اظہار کا وسیلہ تھے۔ وہاں سامعین کی شعری تربیت کا ذریعہ بھی تھے۔ مشاعروں میں شریک ہونے والوں کے لیے مشاعروں میں ان کے ذوق کی تسکین کا سامان بھی ہوتا تھا اور ایک طرح سے علمی و ادبی سرگرمی بھی تھی۔ اب بھی اس روایت کا تسلسل کبھی کبھار دیکھنے کو مل جاتا ہے۔ گزشتہ دنوں ہمارے کالج میں ایک کل پاکستان محفل مشاعرہ کا انعقاد ہوا۔ یہ مشاعرہ میری زندگی کے معدودے چند خوش گوار تجربات میں شامل ہے۔

محفل مشاعرہ کالج ہال میں منعقد ہوا۔ میں مقررہ وقت سے تھوڑی دیر پہلے ہی کالج ہال پہنچ گیا اور یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ کالج ہال بڑی حد تک بھر چکا تھا۔ کالج کے طلبہ کے علاوہ بھی بہت سے لوگ مشاعرہ سننے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ میں ایک خالی نشست دیکھ کر بیٹھ گیا۔ شعرائے کرام کے لیے سٹیج پر بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ سٹیج پر قالین بچھے ہوئے تھے۔ ان قالینوں پر چاندنی (سفید چادریں) بچھائی گئی تھی اور گاؤ تکیے لگا دیے گئے تھے تاکہ شعرائے کرام کو بیٹھنے میں سہولت ہو۔ وقت مقررہ پر شعرائے کرام کالج ہال میں تشریف لے آئے۔

مشاعرے کی نظامت کا فریضہ کالج کے پروفیسر حسن کاظمی انجام دے رہے تھے۔ انھوں نے مشاعرے کے آغاز کی اجازت میر مشاعرہ افتخار عارف سے طلب کی اور سب سے پہلے حاضرین کی خدمت اپنے چند شعر نذر کیے۔ ان کی غزل کا مطلع حاضرین کو اتنا پسند آیا کہ کئی مرتبہ سنا گیا۔

افسوس یہ نہیں ہے کہ میرا نہیں ہوا
وہ شخص ساری عمر کسی کا نہیں ہوا

مشاعرہ آغاز ہی میں دل چسپ ہو گیا۔ پروفیسر حسن کاظمی نے اپنا کلام سنانے کے بعد ملتان سے آئے ہوئے شاعر ممتاز اطہر کو دعوتِ سخن دی۔ ان کا مطلع بھی بڑا خوب صورت تھا۔

ان سے جب بچھڑے تو کتنے رابطے رکھے گئے
آہٹوں پہ کان پلکوں پر دیے رکھے گئے

ممتاز اطہر کے بعد فیصل آباد کے ایک شاعر محمد شفیق کو شعر سنانے کے لیے درخواست کی گئی۔ شفیق نے مزاح و ظرافت سے بھرپور غزل حاضرین کی سماعتوں کی نذر کی۔ جس شعر پر انھیں سب سے زیادہ داد ملی وہ یہ تھا۔

میرا یہ دل تمھاری ہی محبت کے لیے ہے
مگر یہ پیش کش محدود مدت کے لیے ہے

محمد شفیق کے بعد بسمل صابری کی باری آئی۔ انھوں نے جوں ہی غزل کا مطلع پڑھا۔ انھیں وہ داد ملی کہ داد کے شور سے جیسے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

وہ عکس بن کے مری چشمِ تر میں رہتا ہے
عجیب شخص ہے پانی کے گھر میں رہتا ہے

www.ilmkidunya.com

مشاعرہ اب اپنے عروج کی طرف گامزن تھا کہ امجد اسلام امجد کو دعوت کلام دی گئی۔ انھوں نے پہلے تو ایک دوہا سنایا جو کچھ یوں تھا۔

پیڑ کو دیمک لگ جائے یا آدم زاد کو غم
دونوں ہی کو امجد ہم نے بچتے دیکھا کم

اس دوہے کے بعد انھوں نے ایک غزل کے چند اشعار سنائے مجھے یاد آیا کہ ان کی یہ غزل اقبال بانو نے گائی بھی ہے۔ غزل کا مطلع کچھ یوں ہے۔

دل کے دریا کو کسی روز اتر جانا ہے
اتنا بے سمت نہ چل لوٹ کے گھر جانا ہے

امجد اسلام امجد کے بعد کراچی سے آئے ہوئے بزرگ شاعر جناب حمایت علی شاعر کو دعوت سخن دی گئی۔ انھوں نے دو تین غزلیں سنائیں۔ چوں کہ حاضرین میں نوجوانوں کی تعداد زیادہ تھی اس لیے انھیں ان شعروں پر زیادہ داد ملی جن میں نوجوانوں کے جذباتی مسائل کو بیان کیا گیا تھا۔ ان کا یہ قطعہ بہت پسند کیا گیا۔

ایک شہر صدا سینے میں آباد ہے لیکن
اک عالم خاموش ہے جس سمت نظر جائے
میں کچھ نہ کہوں اور یہ چاہوں کہ مری بات
خوش بو کی طرح اڑ کے ترے دل میں اتر جائے

آخر میں میر مشاعرہ جناب افتخار عارف کو دعوت سخن دی گئی۔ جنھوں نے چند مختصر نظمیں پیش کیں۔ ان نظموں پر بھی انھیں بے تحاشا داد ملی۔ انھوں نے اپنی مشہور غزل "مرے خدا مجھے اتنا تو معتبر کر دے" حاضرین کے پرزور اصرار پر سنائی۔ درج ذیل شعر بہت پسند کیا گیا۔

مری زمیں ہی مرا آخری حوالہ ہے
سو میں رہوں نہ رہوں اس کو بارور کر دے

افتخار عارف مشاعرے کے آخری شاعر تھے۔ مشاعرے کے اختتام پر بہت سے طالب علموں نے شعرائے کرام سے آٹوگراف بھی لیے۔ جن میں میں بھی شامل تھا۔ آج کا مشاعرہ میری یادوں میں ایک قیمتی سرمائے کے طور پر ہمیشہ محفوظ رہے گا۔

☆☆☆☆☆

2۔ یوم اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی رُوداد (بورڈ 2007,10,11,17,18)

زندہ قومیں اپنے محسنوں کو کبھی فراموش نہیں کیا کرتیں۔ ان کی یاد تازہ رکھنے کے لیے مختلف تقریبات کا انعقاد کرتی ہیں۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ تمام عالم اسلام کے لیے بالعموم اور برصغیر کے مسلمانوں کے لیے بالخصوص ایک محسن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہر سال علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے یوم ولادت اور یوم وفات پر مختلف تقریبات برپا کی جاتی ہیں۔ گزشتہ دنوں ہمارے کالج میں بھی یوم اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ایک تقریب منعقد ہوئی۔ یہ تقریب کالج ہال میں منعقد ہوئی۔ تقریب کے انعقاد سے چند روز پہلے کالج کے نوٹس بورڈ پر تقریب کے انعقاد کی اطلاع کا نوٹس لگا دیا گیا تھا۔ تقریب کی صدارت پرنسپل صاحب نے کرنا تھی جب کہ مہمانِ خصوصی کے طور پر مشہور ماہر اقبالیات ڈاکٹر خواجہ زکریا تشریف لانے والے تھے۔

تقریب کے انعقاد والے دن میں مقررہ وقت سے تھوڑی دیر پہلے کالج ہال پہنچ گیا۔ کچھ طلبہ نشستوں پر براجمان تھے۔ میں بھی جا کر

www.ilmkidunya.com

ایک نشست پر بیٹھ گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کالج ہال طلبہ سے بھر گیا۔ نشستوں کی مختلف قطاروں کے سروں پر پراکٹر موجود تھے۔ جب کہ چیف پراکٹر پروفیسر احمد علی بھی کالج ہال میں موجود تھے۔ مقررہ وقت سے چند منٹ پہلے پرنسپل صاحب، مہمانِ خصوصی اور اساتذہ کرام کالج ہال میں تشریف لے آئے۔ طلبہ نے اپنی نشستوں سے کھڑے ہو کر اور تالیاں بجا کر ان کا خیر مقدم کیا۔ تمام اساتذہ، پرنسپل اور مہمانِ خصوصی پہلی قطار میں تشریف فرما ہوئے۔

تقریب کی نقابت کے فرائض پروفیسر حسن انجام دے رہے تھے۔ انھوں نے سب سے پہلے پرنسپل صاحب سے درخواست کی کہ وہ سٹیج پر تشریف لائیں اور کرسیٔ صدارت سنبھالیں۔ پرنسپل صاحب اپنی مقررہ نشست پر آکر بیٹھے تو مہمانِ خصوصی کو سٹیج پر تشریف لانے کے لیے کہا گیا۔ وہ اپنی مقررہ نشست پر بیٹھ چکے تو وائس پرنسپل اور چیئرمین سوسائٹیز کو بھی سٹیج پر مقررہ نشستوں پر تشریف رکھنے کے لیے کہا گیا۔ جب یہ مرحلہ طے ہو گیا تو تقریب کا باقاعدہ آغاز تلاوتِ قرآن مجید سے کیا گیا۔ تلاوتِ قرآن مجید کے بعد سالِ دوم کے ایک طالب علم سرفراز علی کو نعتِ رسول مقبول ﷺ پڑھنے کی سعادت حاصل کرنے کے لیے بلایا گیا۔ جنھوں نے کلامِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ سے نعتیہ اشعار ترنم کے ساتھ پیش کیے۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

نعتِ رسول مقبول ﷺ کے بعد سالِ چہارم کے ایک طالب علم ندیم عباس سٹیج پر آئے جنھوں نے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے تصورِ عشق پر روشنی ڈالی۔ ان کا کہنا تھا کہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عشق وہ جذبہ ہے جو عمل کے راستے میں ہر رکاوٹ کو دور کر دیتا ہے جو ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے۔ وہ نارِ نمرود میں کود جانے کا حوصلہ عطا کرتا ہے اور دنیا میں جتنے بھی بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیے گئے ہیں وہ عشق کے بل بوتے پر ہی ممکن ہوئے۔

صدقِ خلیل بھی ہے عشق، صبرِ حسین علیہ السلام بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

تمام حاضرین بڑی توجہ سے مقرر کی باتیں سن رہے تھے۔ ان کے بعد سالِ دوم کے ایک طالب علم حافظ محمد ادریس کلامِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ترنم کے ساتھ سنانے کے لیے تشریف لائے۔ انھوں نے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور نظم کے چند اشعار پڑھے۔

خودی کا سرِ نہاں لا الٰہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الٰہ الا اللہ

یہ خوبصورت اشعار جب فضا میں گونجے تو ایک عجیب سماں بندھ گیا۔ اس کے بعد سالِ چہارم کے ایک طالب علم محمد کمال تشریف لائے۔ انھوں نے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے تصورِ شاہین کے بارے میں چند باتیں کیں۔ انھوں نے کہا کہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ مسلمان نوجوانوں کے لیے شاہین کا لفظ بطور علامت استعمال کرتے ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ شاہین ایک بلند پرواز پرندہ ہے، جو اپنا رزق خود تلاش کرتا ہے۔ جس کے مزاج میں درویشی بھی ہے جو پہاڑوں کی چٹانوں پر رہنا پسند کرتا ہے، جو جہدِ مسلسل پر یقین رکھتا ہے۔

شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا
پُر دم ہے اگر تُو تو نہیں خطرۂ افتاد

ان سنجیدہ باتوں کے بعد سالِ اول کے چند طالب علموں کو سٹیج پر بلایا گیا۔ جنھوں نے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور نظم ''مومن'' کے چند اشعار ترنم سے سنا کر ماحول پر ایک سحر سا طاری کر دیا۔

www.ilmkidunya.com

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں، کردار میں، اللہ کی برہان

اب مہمانِ خصوصی کی باری تھی۔ جنھوں نے اپنے خطاب میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے تصورِ خودی پر روشنی ڈالی اور اس امر پر زور دیا کہ انفرادی سطح پر بھی اور اجتماعی سطح پر بھی ضروری ہے کہ ہم اپنی خودی کو بیدار رکھیں جس کے لیے ضروری ہے کہ ہم اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کریں؛ ضبطِ نفس سے کام لیں تا کہ نیابتِ الٰہی کے تقاضوں کو پورا کر سکیں اور یہ کائنات ہمارے لیے مسخر کر دی جائے۔

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی
خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش
خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

مہمانِ خصوصی کے خطاب کے بعد پرنسپل صاحب نے خطبہ صدارت ارشاد فرمایا اور طلبہ کو تاکید کی کہ وہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے تصورات کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ ان پر عمل کرنے کی بھی کوشش کریں۔ انھوں نے طلبہ کے مثالی نظم وضبط کا مظاہرہ کرنے پر تعریف بھی کی۔

پرنسپل صاحب کے صدارتی کلمات کے اختتام کے ساتھ ہی تقریب بھی اختتام پذیر ہوئی۔ کالج ہال سے پہلے پرنسپل صاحب، مہمانِ خصوصی اور اساتذہ کے ہمراہ باہر نکلے۔ طلبہ کی چھٹی کا وقت ہو چکا تھا۔ ایک خوبصورت تقریب کی قیمتیں یادیں اپنے ذہن میں بسائے میں گھر روانہ ہو گیا۔

3۔ تقریبِ تقسیمِ انعامات کی رُوداد (بورڈ 2008-09-11,16)

ارشادِ خداوندی ہے کہ ''انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے۔'' انسان کی کوششیں جب بارآور ہوتی ہیں تو وہ انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ تقسیم انعامات کے لیے تقریبات بھی منعقد کی جاتی ہیں۔ تعلیمی اداروں میں بھی عام طور پر اس نوعیت کی تقریبات منعقد ہوتی ہیں۔

گزشتہ ماہ ہمارے کالج میں تقسیم انعامات کی سالانہ تقریب منعقد ہوئی۔ یہ باوقار تقریب مقررہ وقت پر کالج ہال میں منعقد ہوئی تھی۔ جس میں صدارت کے فرائض کالج کے پرنسپل صاحب نے انجام دیے جب کہ نقابت کے فرائض سیکرٹری سوسائٹیز بورڈ پروفیسر احمد حسن نے انجام دیے۔

تقریب کا آغاز تلاوتِ قرآن مجید سے ہوا۔ سالِ دوم کے طالب علم حافظ ادریس کے حصے میں یہ سعادت آئی۔ تلاوتِ قرآنِ حکیم کے بعد سالِ دوم ہی کے طالب علم علی احمد نعتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پڑھنے کے لیے آئے۔ انھوں نے مولانا ظفر علی خان کی مشہور نعت ترنم کے ساتھ سنائی۔

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمھی تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمھی تو ہو
سب کچھ تمھارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غایتوں کی غایتِ اولیٰ تمھی تو ہو

نعتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد تقسیم انعامات کی باری آئی۔ سٹیج سے باری باری نمایاں کارکردگی دکھانے والے طلبہ کا نام پکارا جانے لگا۔ ہر طالب علم اپنی باری پر سٹیج پر آتا۔ پرنسپل صاحب سے اپنا انعام وصول کرتا۔ اس موقع پر فوٹو گرافر طالب علم کی پرنسپل صاحب کے ساتھ تصویر اتارتا اور تالیوں کی گونج میں طالب علم واپس اپنی نشست پر چلا جاتا۔ ایک طالب علم کے لیے یہ انتہائی یادگار لمحہ ہوتا ہے جب اس کی کارکردگی پر اسے انعام سے نوازا جاتا ہے۔

www.ilmkidunya.com

وہ تمام طالب علم جنھوں نے ہم نصابی سرگرمیوں اور غیر نصابی سرگرمیوں میں اندرونِ کالج اور بیرونِ کالج اپنی قابلیت کا سکہ منوایا تھا، انعامات سے نوازے گئے۔ تقریری مقابلوں میں حصہ لینے والے ہمارے کالج کے تین طلبہ نے صوبہ بھر میں کالج کا نام روشن کیا اور بہت سے اعزازات پائے تھے۔ انھیں خصوصی ٹرافیوں اور اسناد سے نوازا گیا۔ کوئز کے مقابلوں میں ہمارے کالج کے دو طالب علموں نے گزشتہ ایک سال میں بڑے معرکے سر کیے تھے۔ ٹی وی کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والے کوئز مقابلوں میں بھی وہ سرخرو رہے تھے۔ انھیں بھی خصوصی شیلڈز اور اسناد عطا کی گئیں۔ اسی طرح نعت خوانی، مضمون نویسی، مصوری اور فوٹو گرافی جیسی سرگرمیوں میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والے طالب علموں کو بھی اعزازات سے نوازا گیا۔

غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی نمایاں کارکردگی دکھانے والے طالب علموں کو انعامات دیے گئے۔ کالج کے سالانہ کھیلوں میں حصہ لینے والے چھ طالب علم ایسے تھے جنھوں نے متعدد کھیلوں میں امتیازی پوزیشن حاصل کی تھی۔ انھیں خصوصی انعامات دیے گئے۔ ہمارے کالج کی والی بال ٹیم ڈویژن کی سطح پر منعقد ہوانے والے ٹورنامنٹ کی فاتح ہے، اس کو خصوصی شیلڈز دی گئیں۔ ٹیم کے کوچ کو بھی خصوصی اعزاز دیا گیا۔ بعد ازاں وہ تمام اساتذہ جو ان سرگرمیوں میں حصہ لینے والے طلبہ کی خصوصی تربیت کے لیے محنت کرتے رہے، انھیں بھی تعریفی اسناد دی گئیں۔

انعامات تقسیم کیے جا چکے تو پرنسپل صاحب سے استدعا کی گئی کہ وہ اس موضوع پر چند الفاظ کہیں۔ پرنسپل صاحب نے اپنے صدارتی خطبے کے آغاز میں پہلے تو ان طلبہ کو مبارکباد دی جنھوں نے آج انعامات حاصل کیے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ وہ طالب علم جو کوئی انعام حاصل نہیں کر سکے انھیں دلبر داشتہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ محنت جاری رکھنا چاہیے کہ محنت ہی کے بل بوتے پر انسان نے اتنی ترقی کی ہے۔

میں پرنسپل صاحب کے الفاظ سن رہا تھا اور میرے ذہن میں سر سید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کا لکھا ہوا مضمون "اپنی مدد آپ" تازہ ہونے لگا جس میں سر سید رحمۃ اللہ علیہ بتاتے ہیں کہ انفرادی سطح پر بھی اور اجتماعی سطح پر بھی محنت کے بل بوتے پر ترقی ممکن ہوئی ہے۔

پرنسپل صاحب کہہ رہے تھے انسانی تہذیب مختلف اَدوار سے گزری ہے۔ پہلا دور عہدِ وحشت کہلاتا ہے۔ جب انسان دوسرے جانداروں کی طرح جنگلوں میں زندگی بسر کرتا تھا۔ اس عہد کو پتھر کا زمانہ بھی کہتے ہیں۔ دوسرا دور، عہدِ بربریت کہلاتا ہے جب انسان نے آگ دریافت کر لی، گلہ بانی کرنے لگا۔ یہ عہد دھاتوں کا زمانہ بھی کہلاتا ہے۔ پھر انسانوں نے کھیتی باڑی کرنا سیکھا تو دریاؤں کے کنارے بستیاں بسا کر رہنے لگا۔ پھر انسان نے پہیہ ایجاد کیا۔ سائنسی ایجادات کا آغاز ہوا اور بیسویں صدی میں کمپیوٹر کی ایجاد نے انسانی ترقی میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ یہ سب کچھ نہ تو ایک دن میں ہوا نہ ایک شخص کی کوششوں کا نتیجہ ہے بلکہ یہ بنی نوع انسان کی مسلسل کوششوں کا نتیجہ ہے۔

پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے ہمیں بڑی محنت کی ضرورت ہے۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے اسی لیے فرمایا تھا۔ "کام، کام اور بس کام۔" اگر ہمیں دوسری قوموں کے سامنے سرخرو ہونا ہے۔ ایک باوقار قوم کی حیثیت سے رہنا ہے تو ضروری ہے کہ ہم محنت کریں۔

پرنسپل صاحب کے صدارتی خطبے کے مکمل ہونے پر تقریب کے اختتام کا اعلان کیا گیا۔ کالج ہال سے پرنسپل صاحب، اساتذہ کرام کے ساتھ باہر تشریف لے گئے تو طلبہ بھی باہر نکلے اور دوسرے طلبہ کی طرح میں بھی اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

یہ تقریب اس اعتبار سے بھی اہم ثابت ہوئی کہ میں نے دل میں اپنے آپ سے یہ عہد کیا کہ میں دل لگا کر پڑھا کروں گا اور مضمون نویسی یا کوئز کے مقابلوں میں ضرور حصہ لوں گا تاکہ آئندہ سال ان شاء اللہ ضرور انعام بھی حاصل کروں۔

4۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم پر ایک تقریب کی رُوداد (بورڈ 2010-17)

مجلس علومِ اسلامیہ گورنمنٹ کالج کے زیرِ اہتمام مارچ میں ایک تقریب منعقد ہوئی۔ موضوع تھا سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔ صدارت کے لیے پروفیسر محمد احمد اعوان کو سٹیج پر آنے کی دعوت دی گئی۔ ان کے بعد مہمان خصوصی اشرف صدیقی صاحب کو سٹیج پر اپنی مخصوص نشست پر تشریف

www.ilmkidunya.com

www.ilmkidunya.com

فرما ہونے کی دعوت دی گئی۔ مہمان خصوصی سٹیج پر تشریف لائے تو ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ مجلس علوم اسلامیہ کے کارکنان نے ان پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کیں اور مجلس کے نگران پروفیسر راؤ صاحب نے انھیں ہار پہنایا۔

تقریب کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز تلاوتِ کلام پاک سے ہوا۔ سلیم الرحمان متعلم سالِ دوم نے تلاوت فرمائی۔ انھوں نے مصری لہجے میں تلاوت کر کے سماں باندھ دیا۔ تلاوت کے بعد اس کا ترجمہ پیش کیا گیا تو خدائی فرمان سن کر سبھی کے سر ادب سے جھک گئے۔ ان کے بعد خلیل احمد ثاقب متعلم سال اول کو سٹیج پر آنے کی دعوت دی گئی۔ انھوں نے نعتِ رسول مقبول ﷺ پیش کی۔ نعت کے الفاظ اور اس پر ان کا لحن۔ ایک سماں بندھ گیا۔ نعت کے ان اشعار پر بے ساختہ داد دی گئی۔

اک تمنا ہے کہ وہ خوابِ تمنا دیکھوں
جس کے ہر عکس میں روشن ترا جلوہ دیکھوں
پیش منظر ترا در ہو تو مری آنکھ لگے
آنکھ کھل جائے تو ہر سو ترا چہرہ دیکھوں
مجھ گناہ گار کو اس شخص پہ رشک آتا ہے
جس کی آنکھوں میں ترا نقشِ کفِ پا دیکھوں

آخری شعر کا تاثر سامعین کے دلوں میں اتر گیا۔ نعت کے بعد اکرام الحق متعلم سال اول کو سٹیج پر آنے کی دعوت دی گئی۔ انھوں نے شبلی نعمانی کی مرتبہ سیرت النبی ﷺ سے ظہور قدسی کے باب کا کچھ حصہ اس ڈرامائی انداز میں سنایا کہ سماں بندھ گیا۔ فضا نور سی ہوگئی۔ شبلی کے الفاظ ہی بہت موثر ہیں۔ اس پر ان کی ڈرامائی انداز میں ادائیگی، یوں محسوس ہوتا تھا کہ صبح سعادت کا طلوع ایک روشن منظر کی طرح نگاہوں کے روبرو ہے۔ ان کے بعد نذیر احمد تبسم سال سوم سٹیج پر آئے اور حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ہدیہ نعت پیش کیا۔ نعت کے شعر ان کے ہونٹوں سے نکل کر سامعین کے دل میں اتر رہے تھے۔ ان کے اشعار پر تو ہر زبان سے تحسین و آفرین کے نعرے بلند ہونے لگے۔

جب سے بسی ہے آ کے مرے دل میں ان کی یاد
دنیا جہاں کی جو بھی ہے نعمت وہ گھر میں ہے
سرکار ناخداؤں نے چپو گرا دیے
سوختہ ہیں بادباں سفینہ بھنور میں ہے

خصوصاً اس شعر پر ہر شخص سراپا داد بن گیا۔

تو ہی بتا اے چشمِ جہاں گرد! دہر میں
کیا ان سا آستاں کہیں بحر و بر میں ہے

نذیر احمد تبسم کے بعد پروفیسر راؤ محمد ارشد کو سٹیج پر بلایا گیا۔ انھوں نے سیرت النبی ﷺ کے مطالعہ کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ سیرت النبی ﷺ ہمارے لیے زندگی کے سارے پیغام اور ہر قسم کی زندگی کے لیے رہبری و راہ نمائی لیے ہوئے ہے۔ حضور ﷺ کی سیرت سے اندھیروں میں روشنی کا پیغام ملتا ہے۔ باطل راہوں میں الجھے ہوئے انسان کو سچائی کا جادہ ملتا ہے۔ فکر و نظر کی الجھنوں میں استقامت کا روشن راستہ ملتا ہے۔ سیرت النبی ﷺ ان راہوں سے خبردار کرتی ہے، جن پر چلنے والے خسارے میں مبتلا ہوئے اور اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے۔ یہ ہمیں ان راہوں سے بچاتی ہے، جن پر ضالین نے چل کر اپنے آپ کو قعرِ مذلت میں گرا لیا۔ سیرت النبی ﷺ وہ سراجِ منیر ہے جس سے روشنی حاصل کرنے والے صداقت، عدالت، استغنا اور جرأت و ہمت کا سبق پاتے ہیں اور دنیا کی امامت کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ سیرت النبی ﷺ کے مطالعے سے ہی یہ سبق ملتا ہے:

تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری

انھوں نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ کی زندگی سعادت کا سفر ہے، صداقت کا سفر ہے، امانت کا سفر ہے، قربانی کا سفر ہے اور ہم سب کے لیے ہدایت کا سفر ہے۔ آپ کا سفر زمین سے آسمان تک اور آسمان سے عرش بریں تک بلکہ قاب قوسین تک کا سفر ہے۔ وہ گئے عرش تک اور روح الامین سدرۃ المنتہیٰ دیکھتے رہ گئے۔ یہ سفر سعادت ابد تک کے انسانوں کے لیے سراج منیر بھی ہے۔ شاہد عادل بھی ہے اور ہادی الی صراط مستقیم بھی۔ انھوں نے کہا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اسی صاحب سعادت، صاحب معراج، صاحب بدر و حنین کی رُوشن اور تابندہ حیات سے روشنی کی کرنیں حاصل کریں اور اپنی زندگی کی تاریک رات کو صبح روشن میں بدل لیں۔ انشا اللہ دنیا کیا اور عقبیٰ کیا پوری کائنات ان کی ہو جائے گی۔

کی محمد ﷺ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

پروفیسر راؤ محمد ارتضیٰ کو دعوت خطاب دی گئی۔ انھوں نے اپنے خطاب میں حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ آپ کی زندگی بنی نوع انسان کے لیے سراپا رحمت ہے۔ آپ نے دنیا بھر کے انسانوں کو روشنی کا پیغام دیا۔ آپ یہ پیغام لے کر مکہ کی گلیوں سے طائف کے بازاروں تک پہنچے اور چشم فلک نے یہ منظر دیکھا:

کس قدر مہنگی پڑی ہے روشنی کی آرزو
کنپٹی کا خون بہ کر ایڑیوں تک آ گیا

اس کے باوجود سراپا رحمت رسول پاک ﷺ کے لبوں سے بددعا نہ نکلی۔ اگر کوئی لفظ آپ کی زبان مبارک سے سنا گیا تو یہی کہ الٰہی میری قوم کو ہدایت عطا کر دے، یہ جانتی نہیں۔ یہی سچائی کا پیغام لے کر آپ بدر و حنین میں پہنچے، احد و خندق سے گزرے، فاران کی چوٹیوں پر، حدیبیہ کے میدان میں، مدینے کی گلیوں میں، خیبر کی راہوں میں آپ یہی دعوت لیے لوگوں تک پہنچے۔ جس کسی نے اس دعوت کو قبول کیا، اس کی زندگی میں رحمت کا حسن آ گیا اور جس کسی نے اس دعوت کو مسترد کر دیا اس کا دل ظلم کے اندھیروں سے بھر گیا۔ آیئے ہم حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ سے حسنِ عمل کی ایک کرن مانگ لیں۔ ہماری زندگیوں سے ظلم کی تیرگی ختم ہو جائے گی اور رحمت کا نور چار سو پھیل جائے گا۔

مہمان خصوصی کو ڈائس پر تشریف لانے کی دعوت دی گئی۔ آپ نے اپنے خطاب میں سیرت النبی ﷺ کے فکری پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور کہا کہ حضور ﷺ کی دعوت فکر و فلسفہ کی بلندیوں پر دکھائی دیتی ہے۔ آپ کے ہاں علم و عمل کا حسین اجتماع تھا۔ آپ کی دعوت زمان و مکان کی قیدی نہ تھی، بلکہ زمان و مکان کی وسعتیں آپ کی تعلیم کی ابدیت اور وسعت کے سامنے دم بخود نظر آتی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات کا آغاز وہاں سے ہو رہا ہے جہاں فلسفی اپنے سارے علم و عقل کا رعب گم کر بیٹھتے ہیں۔ آخر میں صاحبِ صدر نے مہمان خصوصی کا خصوصی شکریہ ادا کیا۔ انھوں نے کہا کہ سیرتِ رسول انسانیت کے لیے فوز و فلاح کا پیغام ہے اور آج کی اس مجلس کا مقصد رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس اور دعوتِ حق سے فیض یاب ہونا ہے۔ اس تقریر پر محفل اختتام کو پہنچی۔

5۔ ایک مباحثے کی رُوداد

بزمِ ادب گورنمنٹ کالج کے زیر اہتمام ایک بین الکلیاتی مباحثہ منعقد ہوا۔ صدارت کے فرائض جناب پرنسپل نے انجام دیے جب کہ مہمان خصوصی جناب ڈپٹی کمشنر تھے۔ سب سے پہلے تلاوت کے لیے محمد اسلم متعلم سالِ دوم کو سٹیج پر آنے کی دعوت دی گئی۔ انھوں نے سورۃ القارعۃ کی تلاوت فرمائی۔ پھر نعت خوانی کے لیے اسلام احمد متعلم سالِ اول کو سٹیج پر بلایا گیا۔ انھوں نے ترنم سے خوبصورت نعت پیش کی۔ اس کے بعد سٹیج

www.ilmkidunya.com

سیکرٹری نے مباحثے کے اصول وضوابط بیان کرتے ہوئے کہا کہ ان اصول وضوابط کی پیروی ہر مقرر پر لازم ہے۔ خلاف ورزی کرنے والا مقابلے سے خارج شمار ہوگا۔

سب سے پہلے قائدِ ایوان کالج کے سال چہارم کے طالب علم اقتدار احمد نے ایوان کے سامنے قرارداد پیش کی۔ قرارداد یہ تھی:

انسان کا مستقبل روشن ہے

قائدِ ایوان نے سائنسی ترقی کی تفصیلات پیش کرتے ہوئے کہا کہ انسان مستقبل میں بیماری، وباؤں اور زمینی و آسمانی آفات سے مکمل محفوظ ہو جائے گا۔ اس لیے یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان کا مستقبل روشن ہے۔ انھوں نے دعویٰ کیا کہ انسان جنگوں کی سیاست ترک کر کے امن کے راستے پر گامزن ہے۔ اب بہت سے متحارب گروہ اسلحہ کی دوڑ ترک کر کے مذاکرات کی میز پر آ گئے ہیں۔ اس لیے یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ مستقبل کے انسان کے ہاتھ میں زیتون کی شاخ ہوگی اور امن کا سفید پرچم ہوگا۔ اس لیے یہ مستقبل کی سچائی ہے کہ انسان کا مستقبل روشن ہے۔

قائدِ ایوان کے بعد سالِ سوم کے طالب علم اکرام الحق بطور قائد حزبِ اختلاف تشریف لائے۔ انھوں نے اپنے خطاب میں دعویٰ کیا کہ انسان کا مستقبل تاریک ہے۔ انسان امن کی بجائے جنگ کی طرف گامزن ہے۔ بڑی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں نے چھوٹی اقوام کے لیے زندگی مشکل بنا دی ہے۔ زندگی تاریک تر ہو گئی ہے۔ انسان اقدار سے بیگانہ ہو کر خودکشی کی طرف گامزن ہے۔ جدید تہذیب نازک شاخ پر آشیانے کی طرح ہے، جو کسی بھی تیز ہوا کے جھونکے کی نذر ہو جائے گی۔ ان کے بعد گورنمنٹ کالج سول لائنز ملتان کے تحسین احمد کو دعوت خطاب دی گئی۔ انھوں نے قرارداد کی حمایت میں مدلل خطاب کیا۔ انھوں نے کہا کہ ماضی میں وبائی امراض بستیوں کی بستیاں اجاڑ دیتی تھیں۔ زلزلے پوری تہذیب کو نیست و نابود کر دیتے تھے، طوفان زندگی کو موت میں بدل دیتے تھے۔ اب انسانوں کے رشتے زیادہ قریبی ہو گئے ہیں۔ گلوب ایک قصبے میں تبدیل ہو چکا ہے۔ گلوب کے شہری کسی بھی بستی یا قوم کا مشکل وقت میں ہاتھ بٹاتے اور اس پر آنے والی تباہی میں اس کا سہارا بنتے ہیں۔ اس لیے یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ انسان کا مستقبل روشن ہے۔

تحسین احمد کے بعد اسی کالج کے جناب فرمان اللہ تشریف لائے۔ انھوں نے قرارداد کی مخالفت میں دلائل دیے۔ انھوں نے دعویٰ کیا کہ آج زندگی جس قدر کٹھن ہو چکی ہے، کبھی اس قدر کٹھن نہ تھی۔ جس قدر ضرورتیں پیدا ہو چکی ہیں، ماضی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ جس قدر سازشوں کے جال چاروں طرف پھیل چکے ہیں، پہلے کبھی نہ پھیلے تھے۔ اب انسان اجتماعی خودکشی کی منزل کی جانب گامزن ہے۔ انسان اس قدر مہلک ہتھیار بنا چکا ہے کہ ان کا ایک فی صد بھی چل جائے تو کرہ ارض پر ہر طرف موت کے سائے ہوں گے۔ اس لیے یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ انسان کا مستقبل روشن نہیں ہے۔

اب دعوتِ خطاب گورنمنٹ کالج بھکر کے احترام الحق کو دی گئی۔ انھوں نے بتایا کہ میڈیکل کی ترقی کے باعث اوسط عمر میں کافی اضافہ ہو چکا ہے۔ انسان کو مستقبل میں بے پناہ سہولتیں میسر آئیں گی۔ ماضی میں حادثے کا شکار ہونے والا شخص سڑک کے کنارے تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا تھا۔ اب ایدھی ایمبولینس اس کو ہسپتال پہنچا کر فوری طبی امداد مہیا کرتی ہے۔ ماضی میں انسان کینسر کے مرض میں مبتلا ہو کر موت کا راستہ دیکھتا اور زندگی کی سانسیں گنتا تھا۔ اب کینسر کا مریض علاج کراتا اور صحت حاصل کرتا ہے۔ اس لیے یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ انسان کا مستقبل روشن ہے۔

احترام الحق کے بعد انھی کے کالج کے طالب علم فخری احمد سٹیج پر تشریف لائے اور اپنے خطاب میں دعویٰ کیا کہ انسان آتش فشاں پہاڑ پر کھڑا ہے۔ وہ مستقبل کے ارادے باندھ رہا ہے، مگر یہ بھول گیا ہے کہ اس کے قدموں تلے لاوا پک رہا ہے۔ کسی روز آتش فشاں پہاڑ پھٹ پڑا تو زمین موت کا گہوارا بن جائے گی۔ انھوں نے کہا کہ اسلحے کا ڈھیر، اگنی اور پرتھوی میزائل، ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم یہ سب وہ آتش فشاں پہاڑ ہیں

جن پر انسان مزے سے امن کا پرچم لہرا رہا ہے۔ اس لیے یقیناً انسان کا مستقبل روشن نہیں ہے۔ اب گورنمنٹ اسلامیہ کالج لاہور کے اظہار الحق کو دعوت خطاب دی گئی۔ انھوں نے کہا کہ انسان ماضی میں بے شمار جنگیں لڑ چکا ہے۔ اس صدی کے پہلے نصف میں دو عظیم جنگیں لڑی گئیں، مگر اب پچاس سالوں میں کوئی بڑی جنگ نہیں ہوئی۔ کیوں کہ اب انسان بہت سے مسائل مذاکرات کی میز پر بیٹھ کر حل کر رہا ہے۔ اب انسان گفت و شنید سے مسئلے کا حل تلاش کرتا ہے، جب کہ ماضی کا انسان ہر مسئلے کا حل تلوار اور خنجر کی دھار سے تلاش کرتا تھا۔ ماضی میں عظیم ہجرتیں، عظیم جنگوں کا باعث بنتی تھیں۔ ان کے نتیجے میں اقوام اور تہذیبیں کھنڈروں تلے دفن ہو جاتی تھیں۔ اب ہر تہذیب موت کے خوف سے آزاد ہو چکی ہے۔ اقوام عالم کا ضمیر ہر مظلوم قوم کی رفاقت کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر میں جہاں ظلم ہو رہا ہے وہاں انسانی ضمیر مظلوم کی حمایت میں آواز بلند کر رہا ہے اس لیے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ انسان کا مستقبل روشن ہے۔

اظہار الحق کے بعد انہی کے کالج کے طالب علم محمد ابراہیم سٹیج پر تشریف لائے اور طنزیہ پیرائے میں بولے کہ ہاں انسانی ضمیر عراق پر بم برسانے کی حمایت کر رہا ہے۔ بوسنیا کے مسلمان انسانی ضمیر کے سائے تلے موت کی جانب سفر کر رہے ہیں۔ انسانی ضمیر چیچنیا کی بربادی پر خوشی کے شادیانے بجا رہا ہے۔ انھوں نے سوال کیا کہ بوسنیا اور چیچنیا کی بربادی انسان کے مستقبل کو روشن کر رہی ہے یا تاریک اور پھر دعویٰ کیا کہ انسان کا مستقبل روشن نہیں ہے۔

ان کے جانے کے بعد ایف۔سی کالج لاہور کے طالب علم نوید افضل تشریف لائے۔ انھوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ یقیناً عراق پر ہونے والی بمباری انسانی ضمیر کا بہت بڑا جرم ہے، مگر یہ بھی تو یاد رکھیے کہ جس وقت عراق پر بم گرائے جا رہے تھے۔ جن ملکوں کے فوجی عراق پر بارود برسا رہے تھے، انہی ممالک کے روشن ضمیر لوگ احتجاج بھی کر رہے تھے۔ یقیناً عراق پر ہونے والا ظلم ناقابل معافی جرم ہے، مگر سوچیے کہ ماضی میں جب اندلس کے مسلمانوں کا قتل عام ہوا تھا اور ماضی بعید میں جب یہودیت پر موت کی تلوار کھڑی تھی تو مرنے والوں کے حق میں کتنی صدائیں بلند ہوئی تھیں۔ اب انسانی ضمیر بوسنیا، کشمیر اور چیچنیا کے مسلمانوں پر ہونے والے ظلم کے خلاف آگ بگولا ہے۔ اس لیے یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ انسان کا مستقبل روشن ہے۔

نوید افضل کے بعد ندیم احمد کو دعوت خطاب دی گئی۔ انھوں نے کہا کہ اقوام متحدہ امن کا علمبردار ادارہ نہیں، بڑے ممالک کی ٹریڈ یونین ہے۔ انھوں نے کہا کہ انجمن اقوام متحدہ دراصل عالمی طاقتوں کے غلبے کو تسلیم کرنے کے لیے وجود میں آئی۔ اب اس کی ناک کے سامنے بوسنیا پر ظلم ٹوٹے یا چیچنیا پر، کشمیری مسلمان کا قتل عام ہو یا عراقی بچوں کا قتل ہو، وہ سوائے بیان بازی کے کچھ نہیں کرے گا۔ جیسا کہ عراق میں ہوا تھا۔ اس ادارے سے بہتری کی امید رکھنا برص کے داغوں سے حسن مانگنا اور رات کی سیاہی سے روشنی طلب کرنا ہے۔ یہ بات روشن دن کی طرح واضح ہو چکی ہے کہ انسان کا مستقبل روشن نہیں ہے۔

نوید افضل کے بعد جامعہ پنجاب کی طالبہ ثمر بانو کو سٹیج پر آنے کے لیے کہا گیا۔ ان کی آمد پر تالیوں کا شور بلند ہوا۔ انھوں نے اپنے خطاب میں کہا، ماضی میں انسان غلامی کے دور سے گزرا، جب انسان انسان کی ملکیت تھا۔ پھر انسان نے عورت کو اپنی ملکیت بنا لیا اور اس سے وہ سلوک کیا جو زندہ انسان سے روا رکھنا کسی بھی طور مناسب نہ ہے۔ اس نے کاری جیسی رسم ایجاد کی۔ اس نے عورت کو بولنے والا جانور کہا اور صرف ایک بازو سمجھا، اسے رفیق زندگی بنانے کی ضرورت نہ سمجھی۔ اب عورت بیدار ہو چکی ہے، اپنی انسانیت منوا چکی ہے۔ اب وہ ذی روح انسان ہے، کسی کی ملکیت نہیں۔ اتنا بڑا انقلاب چشم زدن میں نہیں ہوا۔ ارتقا کے طویل سفر کے بعد یہ منزل حاصل ہوئی ہے۔ یہ سفر اب بھی جاری ہے، اس لیے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ انسان کا مستقبل روشن ہے۔ تقاریر کے خاتمے پر سٹیج سیکرٹری نے ایوان کی رائے کے لیے قرارداد ایوان کے سامنے پیش کی، ایوان نے کثرتِ رائے سے قرارداد منظور کر لی۔ اس کے بعد منصفین کے مطابق اول، دوم اور سوم آنے والے مقررین کے ناموں کا اعلان کیا گیا۔ ٹیم ٹرافی ایف۔سی کالج کے حصے میں آئی۔ مہمان خصوصی نے ان میں انعامات تقسیم کیے اور آخر میں صدر اور مہمان خصوصی نے مختصر خطاب کیا۔

6۔ الوداعی تقریب کی رُوداد

(بورڈ 2007,22ء)

گورنمنٹ ایف۔سی کالج کی آرٹس سوسائٹی کے زیرِاہتمام سال دوم کے طلبہ کے اعزاز میں ایک الوداعی تقریب کالج کے لان میں منعقد ہوئی۔تقریب کی صدارت پرنسپل مظفر عباس نے کی۔

تقریب کا آغاز تلاوتِ کلام پاک سے ہوا۔سال اول کے طالب علم نے تلاوت فرمائی۔ان کے بعد عرفان غنی سال دوم نے نعت خوانی کی۔اس شعر پر ہر شخص وجد میں آگیا:

پھوٹا جو سینۂ شبِ تارِ الست سے
اس نورِ اوّلیں کا اجالا تمھی تو ہو

سال اول کے طلبہ نے تقریب کو رنگارنگ بنانے کے لیے مختلف خاکوں کا اہتمام کر رکھا تھا۔سلیم غنی اور اس کے گروہ نے چار خاکے پیش کیے۔ان میں "دیہاتی سکول" والا خاکہ سب سے زیادہ پسند کیا گیا۔

جمیل اجمل کالج کے فنکار طالب علم ہیں۔انھوں نے سٹیج پر آکر مختلف آوازیں پیش کیں۔انھوں نے بعض افراد کی اس خوب صورتی سے نقل اتاری کی وہ خود اس پر بے ساختہ داد دینے لگے۔بعض افراد اس عمل پر چیں بہ جبیں بھی ہوئے،مگر مجموعی تاثر خوشگوار ہی رہا۔

جمیل اجمل کے بعد اکرام اسلم نے سال اول کی طرف سے خطاب کرتے ہوئے سال دوم کے طالب علموں کو پر خلوص انداز میں الوداع کہا اور کہا کہ سال دوم کے طلبہ کی محبت کو ہمیشہ یاد رکھیں گے۔انھوں نے پورے خلوص سے نئے آنے والے ساتھیوں کی ہر طرح سے مدد اور راہنمائی کی۔تعلیم کا میدان ہو یا کھیل کا گراؤنڈ،این۔سی۔سی کی ٹریننگ ہو یا تقریر و تحریر کا مشغلہ،ہر موضوع پر سال دوم کے طلبہ نے جونیئر ساتھیوں کی حوصلہ افزائی کی اور اپنی محبتوں سے نوازا۔

ان کے بعد محمد ندیم سال دوم کی طرف سے شکریے کے لیے تشریف لائے۔انھوں نے سال اول کے طلبہ کے خلوص پر اظہار تشکر پیش کرتے ہوئے کہا کہ اچھے لوگ دوسروں کی اچھائیوں کو یاد رکھتے ہیں۔آپ یقیناً اچھے لوگ ہیں،جنھوں نے ہماری اچھائیوں کو یاد رکھا۔انھوں نے کہا کہ اگر سال دوم کے طالب علموں سے کوئی غلطی سرزد ہوگئی ہو تو وہ سال اول کے طلبہ سے پورے خلوص سے معذرت کرتے ہیں۔

اب پروفیسر اجمل نیازی کو خطاب کے لیے سٹیج پر بلایا گیا۔پروفیسر نیازی نے جمیل اجمل کی فنکاری کی داد دی اور کہا کہ فنکار یقیناً زندگی کو قریب سے دیکھتا ہے۔ہر شخص فنکار نہ سہی،مگر وہ فنکارانہ ذوق تو رکھتا ہے۔انھوں نے کہا کہ ہر شخص کو چاہیے کہ وہ زندگی کو قریب سے دیکھے اور اس سے کچھ نہ کچھ سیکھنے کی کوشش کرے۔

اب جناب پروفیسر ادریس ملک کو خطاب کی دعوت دی گئی۔انھوں نے کہا کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمان گزرتے وقت کی قدر کرتا ہے۔انسان کی عمر ہر لحظہ ختم ہو رہی ہے اور وہ موت کی طرف جا رہا ہے۔کل جو طالب علم اس ادارے میں آئے تھے،اب رختِ سفر باندھ کر چل دیے ہیں۔یہ تمام اعمال نشانیاں ہیں اور اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ انسان اپنے وقت کو بیکار ضائع نہ کرے۔بلکہ عمرِ رواں کے ہر لمحے کو قیمتی جان کر عبادت کے ذریعے اور خدمتِ خلق کے ذریعے یادگار بنالے۔

پروفیسر ادریس ملک صاحب کے اس مبلغانہ خطاب کے بعد زاہد عزیز کو سٹیج پر آنے کی دعوت دی گئی۔زاہد عزیز نے کہا کہ ملاقات اور جدائی،ہجر اور وصل زندگی کے دو خوب صورت تجربے ہیں۔ہر تجربے کو یادگار بنایا جا سکتا ہے۔بشرطیکہ انسان اعلیٰ ذوق سے بہرہ ور ہو۔انسان کے ذوق پر منحصر ہے کہ وہ اس تجربے سے روشنی حاصل کرے یا اسے ضائع کردے۔آج کی الوداعی تقریب بھی ایک تجربہ ہے اور ہمیں بہت کچھ دے سکتی ہے۔

پروفیسر زاہد عزیز کے بعد پروفیسر کامران ظہور کو خطاب کے لیے سٹیج پر بلایا گیا۔ انھوں نے نظم وضبط کو زندگی کا بنیادی اصول قرار دیا۔ انھوں نے کہا کہ منظم انداز میں گزاری ہوئی زندگی لاحاصل نہیں ہوتی بلکہ غیر منظم انداز میں گزارے ہوئے لمحے بے کار جاتے ہیں۔ انھوں نے تلقین کی کہ طالب علم اپنی زندگی میں نظم وضبط لانے کی کوشش کریں۔

اس کے بعد پروفیسر ماجد خان سٹیج پر بلائے گئے۔ انھوں نے کلام منظوم پیش فرمایا اور الوداعی تقریب کے حوالے سے اپنے خیالات کا منظوم اظہار فرمایا۔

پروفیسر ماجد خان کے بعد جناب پروفیسر امجد نواز نے خطاب فرماتے ہوئے کہا کہ انسان اپنے وقت کو اپنی رفاقت کو اپنے عمل سے یادگار بناتا ہے۔ اور اپنے عمل ہی سے لایعنی بھی۔ اپنے لمحوں کو فضول خرچ کرنے والے زندگی کو ایسے ہی ضائع کر دیتے ہیں جیسے فضول خرچ لوگ اپنی دولت لٹا دیتے ہیں۔ زندگی کی فرصت بھی اسی طرح محدود ہے جس طرح کسی جگہ انسان کا قیام۔ اس لیے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے لمحوں کو قیمتی بنائے اور زندگی کو بے ثمر ہونے سے بچائے۔

آخر میں جناب پرنسپل مظفر عباس صاحب ڈائس پر تشریف لائے۔ طلبہ نے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ انھوں نے اپنے خطاب میں اسلامی اقدار کی اہمیت کو اجاگر کیا اور کہا کہ تعلیم قدروں کے حصول کے بغیر بے کار ہے۔ کتاب کی تعلیم اس وقت تک لاحاصل ہے، جب تک کہ انسان تربیت سے محروم رہے۔ انھوں نے طلبہ کو تلقین کی کہ وہ اقدار سے خصوصاً دینی اقدار سے اپنا رشتہ مضبوط بنائیں۔ اس کے ساتھ یہ تقریب اختتام کو پہنچی۔ اس کے بعد تمام طلبہ چائے پینے پنڈال میں تشریف لے گئے۔ اساتذہ کے لیے خوردونوش کا علیحدہ اہتمام کیا گیا۔

7۔ یومِ پاکستان کی تقریب کی رُوداد

مقامی نیشنل سنٹر پاکستان میں اس سال بھی ہمیشہ کی طرح 23 مارچ کو چار بجے شام ''یوم پاکستان'' کے نام سے ایک شان دار تقریب منائی گئی۔ اس کے صدر ضلع کے ڈپٹی کمشنر تھے، جو علمی و ادبی ذوق بھی رکھتے تھے اور مہمان خصوصی ڈائریکٹر تعلیمات (کالجز) تھے۔ تقریب ساڑھے چار بجے جا کر شروع ہوئی۔

ریذیڈنٹ ڈائریکٹر صاحب نے سٹیج سیکرٹری کے فرائض انجام دیے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب کے کرسی صدارت پر تشریف لانے کے بعد اردو میں کارروائی شروع ہوئی۔ جناب ارشد کمال نے تلاوتِ کلام پاک کی۔ تلاوت کے بعد اردو میں ترجمہ بھی پڑھ کر سنایا گیا۔

تلاوتِ کلام پاک کے بعد سٹیج سیکرٹری نے ایک نوجوان محمد اسلم کو علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نظم پڑھنے کی دعوت دی۔ انھوں نے ایسی طرز دار آواز میں سنائی کہ حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔

اس کے بعد پروفیسر محمد ارشد کو اظہارِ خیال کی دعوت دی گئی۔ آپ کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ 14 اگست 1947ء کا دن ہماری آزادی کا دن ہے۔ یہ آزادی ہمیں آسانی سے نصیب نہیں ہوئی۔ اغیار کی سازشوں اور اپنوں کی ہزار مخالفتوں کے باوجود پاکستان کا وجود میں آنا ایک ایسا کارنامہ ہے کہ جس کی نظیر بہت کم ملتی ہے۔ پاکستان کی آزادی ہماری منزل تھی لیکن اس منزل کی جانب سفر 23 مارچ 1940ء کو شروع کیا گیا۔ اسی لیے 23 مارچ بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا 14 اگست ہے۔ 23 مارچ ہی دراصل ہمارے عزم کا نشان ہے۔ یہی ''یوم پاکستان'' ہے۔ آپ نے پاکستان کے ان جیالوں اور متوالوں کو خراج عقیدت پیش کیا جنھوں نے قیام پاکستان کا معجزہ کر دکھایا جو تاریخ کا دھارا موڑنے اور اسے اپنی پسند کے رخ پر ڈالنے کی قوت اور صلاحیت رکھتے ہیں۔ جو اپنے ہر خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے پر قادر ہیں۔

اس کے بعد ایک نوجوان غلام سرور نے ''صبح وطن'' کے نام سے ایک نظم ترنم سے سنائی۔ اس نظم کو بہت پسند کیا گیا۔ اس کا ایک شعر یوں تھا۔

آج کے دن ہی تو چمکا تھا ستارہ اپنا
صبح آزادی کی آئی تھی آج کے دن

جناب محمد اسماعیل کو زحمت دی گئی کہ وہ سٹیج پر تشریف لائیں اور اپنی تقریر دل پذیر سے شاد کریں۔ آپ نے سٹیج پر آ کر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ مملکت اس لیے عطا کی تھی کہ اس میں مسلمان امن و تحفظ کے علاوہ اسلامی نظریات پر عمل پیرا ہوں۔ تمام مسلمان اتحاد، اخوت، محبت اور بھائی چارہ سے کام لے کر خیبر سے کراچی تک سیسہ پلائی دیوار بن جائیں۔ ہمیں اسلام کی سیاسی، اقتصادی، معاشی اور معاشرتی بود و باش کا نظام نافذ کرنا اور اس پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

پاکستان کے عوام آزادی کو سینے سے لگانے کے لیے ٹینکوں کے سامنے کود جانا جانتے ہیں۔ آزادی بزدلوں، سمگلروں، نااہلوں، چور بازاری کرنے والوں اور ناجائز منافع خوروں سے محبت نہیں کرتی بلکہ ان سے نفرت کرتی ہے۔ یہ بہادروں، جیالوں، انصاف پسندوں، خودداروں اور نظام مصطفیٰ کے شیدائیوں کو پسند کرتی ہے۔ اس آزادی کی نعمت کو قائم و دائم رکھنے کے لیے ہمیں پیغمبرِ اسلام ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے۔ آخر میں آپ نے فرمایا۔ ہمیں ملک کی آزادی، بقا و سالمیت اور یک جہتی کا پرچم سربلند رکھنا چاہیے، اسی میں ملک و مملکت کی بھلائی ہے اور ہماری ترقی و سرفرازی ہے۔

اب سٹیج پر جناب ڈپٹی کمشنر صاحب تشریف لائے۔ انھوں نے بہت جوش میں آ کر تقریر کی اور کہا کہ 23 مارچ وہ تاریخی دن ہے جب ہم نے عزم کیا تھا کہ ہم آزاد مملکت حاصل کریں گے پھر ہماری سات سال کی جدوجہد سے دنیا کے نقشے پر ایک عظیم اسلامی مملکت معرض وجود میں آئی۔ پاکستان کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ برصغیر کے مسلمان علیحدہ وطن میں آزادانہ طور پر اسلامی اصولوں کو اپنائیں۔ مملکت خداداد کو صحیح معنوں میں اسلام کا گہوارہ بنانے کے لیے عوام اپنی زندگیوں کو اسلامی سانچے میں ڈھالیں اور نظریہ پاکستان کو مدنظر رکھتے ہوئے پاکستان کی سالمیت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیں۔ اب ہمیں اپنے ملک پاکستان کو زیادہ مضبوط بنانا ہے اور وہ ترقی کر کے دکھانا ہے کہ دنیا بھر کی قومیں اور ملک ہمارا لوہا مانیں اور ہماری بڑائی کے قائل ہوں۔ 23 مارچ ہمارا یوم استقلال ہے، ہمارے عزم کا نشان ہے۔

ان کے بعد جناب مہمان خصوصی نے اپنے ارشاداتِ عالیہ پیش کیے اور فرمایا کہ 23 مارچ جہاں انفرادی اور اجتماعی محاسبے کا دن ہے۔ وہاں اپنے عہد کو دہرانے کا دن بھی ہے۔ آئیے یوم پاکستان کے اس مبارک موقع پر ہم عہد کریں کہ ہم آزادی کے اس پودے کی سدا حفاظت کریں گے جسے ہمارے آباؤ اجداد نے اپنے خون سے سینچا ہے اور زمانے کی آندھیوں کے ہاتھوں کبھی اسے اکھڑنے نہیں دیں گے۔

8۔ کھیلوں کے سالانہ دن کی رُوداد (بورڈ 2019ء)

یونانی کہاوت ہے کہ ایک صحت مند ذہن کے لیے ایک صحت مند جسم کی ضرورت ہوتی ہے اور جسمانی صحت مندی کے لیے کھیل کود اور ورزش کرنا بڑا ضروری ہے۔ کھیلوں میں حصہ لینے سے انسان میں نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے۔ باہمی تعاون کی تربیت ہوتی ہے۔ منزل کے حصول اور کامیابی حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور مشکلات کا سامنا کرنے کا حوصلہ ملتا ہے۔ کھیلوں کی اسی اہمیت کے پیش نظر تعلیمی اداروں میں سالانہ کھیلوں کا انعقاد کیا جاتا ہے۔

گزشتہ دنوں ہمارے کالج میں سالانہ کھیلوں کا انعقاد ہوا۔ کھیلوں کے مختلف مقابلے پورا ہفتہ جاری رہے۔ آخری دن تمام مقابلوں کے فائنل تھے۔ کھیلوں کا آغاز صبح دس بجے ہونا تھا۔ میں ساڑھے نو بجے کے قریب کالج گراؤنڈ پہنچا تو طلبہ کی اکثریت گراؤنڈ میں موجود تھی۔ ایک طرف ایک شامیانہ نصب تھا جس میں اساتذہ کرام، پرنسپل صاحب اور مہمانِ خصوصی نے تشریف فرما ہونا تھا جب کہ طلبہ کھیل کے میدان کے چاروں طرف بنی ہوئی سیڑھیوں پر براجمان تھے۔ ہر طرف ایک جوش و خروش کی کیفیت تھی۔

پرنسپل صاحب، مہمان خصوصی جوڈی۔ پی۔ آئی کالجز تھے اور اساتذہ کرام کے ہمراہ پنڈال میں تشریف لائے تو تمام طلبہ اپنی اپنی جگہ پر احتراماً کھڑے ہوئے اور تالیاں بجا کر آنے والوں کا استقبال کیا۔

نظامت کے فرائض کالج کے ہر دل عزیز پروفیسر رضی حیدر سرانجام دے رہے تھے۔ تقریب کا آغاز تلاوتِ کلامِ مجید سے ہوا۔ سالِ اول کے قاری علی احمد نے تلاوتِ کلامِ مجید کی سعادت حاصل کی۔ تلاوت کلام مجید کے بعد نعت رسول مقبول ﷺ پڑھنے کی سعادت سالِ دوم کے ندیم عباس نے حاصل کی۔

سالانہ کھیلوں کا آغاز مارچ پاسٹ سے ہوا۔ سلامی کے چبوترے پر پرنسپل صاحب، مہمان خصوصی اور چیئرمین سپورٹس کمیٹی کو بلایا گیا۔ تمام کھلاڑی کالج کا پرچم لیے مارچ پاسٹ کرتے ہوئے سلامی کے چبوترے کے سامنے سے گزرے۔ مارچ پاسٹ کے بعد کھیلوں کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلے گولا پھینکنے کا مقابلہ ہوا۔ پھر تھالی اور نیزا پھینکنے کے مقابلے ہوئے۔ تماشائی طلبہ کی طرف سے ہلا گلا ہو رہا تھا۔ کھلاڑیوں کے جیتنے پر بھرپور تالیاں بجا کر انھیں داد دی جا رہی تھی۔ اس کے بعد مختلف قسم کی دوڑوں کے مقابلے ہوئے۔ سب سے زیادہ دل چسپی سو میٹر کی دوڑ اور بوری دوڑ (Sack Race) میں دیکھی گئی۔

کھیلوں کے سالانہ دن کا ایک اہم مقابلہ سائنس اور آرٹس کے اساتذہ کے درمیان دوستانہ کرکٹ میچ تھا۔ مقابلہ شروع ہوا تو تماشائی طلبہ دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ آرٹس کے طلبہ اپنے اساتذہ اور سائنس کے طلبہ سائنس کے اساتذہ کے ساتھ ہو گئے۔ یوں لگتا تھا کہ کرکٹ میچ گراؤنڈ میں نہیں ہو رہا بلکہ تماشائیوں کے درمیان ہو رہا ہے۔ بڑے زور شور سے میچ ہو رہا تھا۔ چوں کہ میں آرٹس کا طالب علم تھا اس لیے لامحالہ میری ہمدردیاں بھی آرٹس کے اساتذہ کے ساتھ تھیں اور میری خوشی کی انتہا نہ رہی جب آرٹس کے اساتذہ نے میچ جیت لیا۔

اس میچ کے فیصلے کے بعد تقسیم انعامات کا مرحلہ آیا۔ ڈی۔ پی۔ آئی کالجز اور پرنسپل صاحب سٹیج پر تشریف لائے تاکہ جیتنے والے کھلاڑیوں کو انعامات عطا کریں۔ تالیوں کی گونج میں خاصی دیر یہ سلسلہ جاری رہا۔ انعام لینے والے طلبہ کی تصاویر مہمانِ گرامی اور پرنسپل صاحب کے ساتھ بنائی جاتی رہیں۔

جب انعامات دینے کا سلسلہ مکمل ہوا تو مہمانِ خصوصی سے درخواست کی گئی کہ حاضرین کو اپنے قیمتی خیالات سے نوازیں۔ مہمانِ خصوصی نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ جس ملک میں کھیلوں کے میدان آباد ہوتے ہیں وہاں ہسپتال ویران ہوتے ہیں۔ طلبہ میں کھیل کود کی رغبت اس بات کی آئینہ دار ہے کہ ہماری نوجوان نسل زندگی کے بارے میں صحت مند رویہ رکھتی ہے۔ ڈی۔ پی۔ آئی کالجز ہونے کے ناطے انھوں نے ہمارے کالج میں سپورٹس کے سامان کے لیے پانچ لاکھ روپے کی گرانٹ کا اعلان بھی کیا۔

آخر میں پرنسپل صاحب نے صدارتی کلمات کہے۔ انھوں نے طلبہ پر زور دیا کہ پڑھائی کے ساتھ ساتھ کھیل کود پر ضرور توجہ دیں کیوں کہ انسانی جسم اگر صحت مند نہ ہو تو وہ کوئی کام بھی بہتر طور پر سرانجام نہیں دے سکتا۔ لیکن ایک طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ پڑھائی اور کھیل کود میں توازن رکھے۔ کھیلے ضرور لیکن صرف کھیلنے ہی پر انحصار نہ کرے بلکہ پڑھائی پر بھی پوری توجہ دے۔

اپنے صدارتی خطبے کے آخر میں پرنسپل صاحب نے اگلے دن کی چھٹی کا اعلان کیا تو طلبہ نے خوشی سے وہ نعرے لگائے کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ اس اعلان کے ساتھ ہی یہ تقریب اپنے اختتام کو پہنچی اور ہم خوشی خوشی گھروں کو روانہ ہو گئے۔

9۔ یومِ آزادی کی تقریب کی رُوداد

کہا جاتا ہے کہ انسان میں اگر اور کوئی بات قابل تعریف نہیں تو یہ بات بہرحال قابل تعریف ہے کہ انسان غلام رہ کر جینا پسند نہیں کرتا۔ انسانی تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ انسانی تاریخ درحقیقت آزادی کے حصول کی تاریخ ہے۔ یہ آزادی کبھی کسی قوم کو تحفے کے طور پر نہیں ملا کرتی اس کے لیے بڑی قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ جس طرح آزادی کا حصول قربانی دیے بغیر ممکن نہیں اسی طرح آزادی کا دفاع بھی قربانی دیے بغیر

www.ilmkidunya.com

ممکن نہیں ہوتا۔ آزاد قومیں اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے ہمیشہ ایسی تقریبات کا انعقاد کرتی رہتی ہیں جن سے لوگوں میں آزادی کی بقا کا جوش و جذبہ سرد نہیں ہونے پاتا۔

14 اگست ہمارا یومِ آزادی ہے۔ ہر سال ہم بڑی گرم جوشی، جوش و ولولے کے ساتھ یہ دن مناتے ہیں۔ پرچم لہرانے سے رات کو چراغاں کرنے تک سارا دن آزادی کے حوالے سے مختلف تقریبات منعقد ہوتی ہیں ہمارے کالج میں بھی یومِ آزادی کی تقریب پورے وقار کے ساتھ منائی جاتی ہے۔

اس سال 14 اگست کو کالج میں یومِ آزادی کے حوالے سے ایک تقریب کا انعقاد ہوا۔ تقریب سے پہلے کالج کے طلبہ، اساتذہ، پرنسپل صاحب اور دوسرے عملے نے مل کر قومی ترانہ گایا۔ سارے ملک میں بیک وقت ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر قومی ترانہ جب گایا جاتا ہے تو سارے پاکستانی ایک دوسرے کی آواز میں آواز ملا کر قومی ترانہ گا رہے ہوتے ہیں۔ یہ احساس کہ پوری قوم اس وقت قومی ترانہ پڑھ رہی ہے۔ ایک وحدت کا تاثر پیدا کرتا ہے۔

قومی ترانے کی تکمیل کے ساتھ ہی پرچم کشائی کی رسم ہوئی۔ جس کے بعد طلبہ، اساتذہ اور پرنسپل صاحب کالج ہال میں جمع ہوئے اور یومِ آزادی کے حوالے سے تقریب کا باقاعدہ آغاز تلاوت کلام مجید سے ہوا۔ تلاوت کی سعادت سالِ اول کے طالب علم قاری محمد یونس نے حاصل کی۔ سورۂ رحمٰن کی آیات تلاوت کی گئیں۔ اس آیت کی تکرار کہ "تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔" فضا میں گونجی تو احساس ہوا کہ واقعی ان نعمتوں میں آزادی کتنی بڑی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہے۔ تلاوت کلام مجید کے بعد نعتِ رسول مقبول ﷺ پڑھی گئی۔ مولانا ظفر علی خان کی مشہور نعت جب سالِ دوم کے حافظ احمد علی نے ترنم سے پڑھی تو ایک سماں بندھ گیا۔

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمھی تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمھی تو ہو

نعتِ رسول مقبول ﷺ کے بعد چند طلبہ نے مل کر ملی نغمہ پیش کیا۔

ہمارا پرچم یہ پیارا پرچم
یہ پرچموں میں عظیم پرچم
عطائے ربِ کریم پرچم

نغمہ سننے والوں پر ایک جوش کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اس ملی نغمے کے بعد شعبہ سیاسیات کے چیئرمین پروفیسر احمد علی سٹیج پر تشریف لائے۔ انھوں نے برصغیر پاک و ہند کے اس سیاسی منظر نامے پر روشنی ڈالی جس میں پاکستان کی تشکیل ہوئی۔ انھوں نے بتایا کہ کس طرح کانگرسی قیادت نے بعض قوم پرست مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملایا اور مسلمان اپنے بھول پن کی وجہ سے ہندوؤں اور انگریزوں کی سازش کا شکار ہو کر قائداعظم رحمتہ اللہ علیہ اور مسلم لیگ کی مخالفت کرتے رہے۔ انھوں نے زور دے کر یہ بات کہی کہ جہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ کون انسان کا دوست ہے۔ وہاں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ کون اس کا دشمن ہے۔ یہ آزادی جو بڑی قربانیاں دے کر حاصل کی گئی ہے۔ اس کی بقا کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے دوستوں اور دشمنوں کو پہچانیں۔

پروفیسر احمد علی کے بعد شعبۂ تاریخ کے چیئرمین پروفیسر محمد طارق کو سٹیج پر اظہارِ خیال کے لیے بلایا گیا۔ انھوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ پاکستان کا قیام دنیا کے چند محیر العقول واقعات میں سے ہے۔ تاریخ تو بدلتی رہتی ہے لیکن عام طور پر جغرافیہ نہیں بدلا کرتا۔ قائداعظم رحمتہ اللہ علیہ کی ولولہ انگیز قیادت نے برصغیر کی تاریخ ہی کو نہیں بدلا بلکہ جغرافیے کو بھی تبدیل کیا ہے۔ یہ نئی نسل کی ذمہ داری ہے کہ آزادی کی اس امانت کی حفاظت کرے۔

پروفیسر محمد عارف کے بعد سالِ چہارم کے چند طلبہ نے مسرور انور کا مشہور ملی نغمہ ترنم کے ساتھ پیش کیا۔

سوہنی دھرتی اللہ رکھے قدم قدم آباد تجھے
قدم قدم آباد تجھے

آخر میں پرنسپل صاحب کو صدارتی کلمات ادا کرنے کے لیے سٹیج پر آنے کی دعوت دی گئی۔ پرنسپل صاحب نے اپنے صدارتی خطبے میں ارشاد فرمایا کہ عصر حاضر میں کوئی بھی آزادی معاشی آزادی کے بغیر ممکن نہیں۔ اگر ہم معاشی طور پر دوسری قوموں پر انحصار کریں گے تو حقیقی آزادی ہم سے دور ہو جائے گی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم محنت کریں۔ بانی پاکستان قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان ''کام، کام اور کام'' کو مشعل راہ بنائیں۔ مصور پاکستان کے فلسفہ خود انحصاری کو اپنائیں تاکہ ہم اپنی خودی کی حفاظت کر سکیں اور دنیا میں ایک باوقار قوم کی حیثیت سے اپنی شناخت قائم کریں۔

پرنسپل صاحب کے خطاب کے ساتھ ہی یہ تقریب اپنے اختتام کو پہنچی اور ہم خوشی خوشی دل میں یہ عہد کر کے کہ ہمیشہ دل لگا کر کام کریں گے اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

10۔ تاریخی مقام کی سیر کی روداد

انسانی فطرت ہے کہ انسان یکسانیت سے اکتا جاتا ہے۔ اس اکتاہٹ کو دور کرنے کے لیے وہ سیر و تفریح کرتا ہے۔ سیر و تفریح انسان کی بیزاری کو ختم کر کے اسے پھر سے کام کرنے کے لیے تیار کرتی ہے۔ اسی لیے تعلیمی اداروں میں بھی مطالعاتی دورے رکھے جاتے ہیں تاکہ مسلسل پڑھائی اور محنت کے درمیان خوش گوار وقفہ آ جائے اور طلبہ کی کارکردگی بہتر ہوتی رہے۔

گزشتہ دنوں ہمارے کالج کے طلبہ کا ایک مطالعاتی دورہ ''قلعہ روہتاس'' روانہ ہوا۔ جس میں میں بھی شریک تھا۔ مقررہ دن سے تقریباً ایک ہفتہ پہلے کالج نوٹس بورڈ پر مطالعاتی دورے کی تفصیلات نوٹس کی صورت میں چسپاں کر دی گئیں کہ کس وقت کالج پہنچنا ہے؟ کب روانہ ہونا ہے؟ واپسی کس وقت ہو گی؟ کتنے پیسے جمع کرانے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ میں نے اگلے ہی روز مطالعاتی دورے پر جانے کے لیے پیسے جمع کرا دیے تاکہ بعد میں کوئی مسئلہ نہ ہو۔

مقررہ دن میں صبح کی نماز کی ادائیگی کے بعد سیر پر نہ گیا بلکہ مطالعاتی دورے پر جانے کی تیاری کرنے لگا۔ سردیوں کے موسم میں میں نے اپنا پسندیدہ لباس پہنا اور کالج پہنچ گیا۔ بس تیار تھی۔ طلبہ پہنچ رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے مطالعاتی دورے پر جانے کے خواہش مند تمام طلبہ پہنچ گئے۔ بسوں میں سوار ہوئے۔ حاضری لی گئی اور بس روانہ ہو گئی۔

دریائے راوی پار کر کے جب ہماری بس جی ٹی روڈ پر پہنچی تو ہمارے محترم استاد نے ہمیں بتایا کہ یہ سڑک شیر شاہ سوری نے بنوائی تھی۔ دہلی سے پشاور تک جانے والی اس سڑک پر شیر شاہ سوری نے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چوکیاں بنوائیں۔ کئی سرائے بنوائیں تاکہ مسافروں کو راستے میں کوئی دقت نہ ہو۔ سڑک بنوانے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کا دارالحکومت دہلی تھی۔ شمالی سمت سے جو حملہ آور آتے تھے سڑکیں نہ ہونے کی وجہ سے سرکاری فوج انھیں راستے میں روکنے سے معذور رہتی تھی۔ چناں چہ جو بھی حملہ آور آتا۔ بڑا مقابلہ پانی پت کے میدانوں میں ہوتا۔ دارالحکومت سے اتنے قریب لڑائی کا خطرہ مول لینا عام طور پر نقصان دہ ثابت ہوتا تھا۔ چناں چہ شیر شاہ سوری نے ''دینہ'' کے قریب قلعہ روہتاس بنا کر اور جرنیلی سڑک بنوا کر دراصل حملہ آوروں کے راستے میں دیوار کھڑی کی تھی۔

ہماری بس اب مرید کے کے قریب تھی۔ اچانک سب نے چبھتی ہوئی بو محسوس کی۔ ہم نے اپنے استادِ محترم سے اس کا سبب پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ یہاں پر کھاد اور چمڑا بنانے کے کارخانے ہیں۔ یہ بو انھیں کارخانوں سے آ رہی ہے۔

لاہور سے قلعہ روہتاس جاتے ہوئے ہم نے پنجاب کے تین دریا عبور کیے۔

(i) دریائے راوی جس کے بارے میں پطرس بخاری کا لکھنا ہے کہ ''راوی ضعیف شہر کے قریب موجود پل کے نیچے لیٹا رہتا ہے۔ بہنے کا شغل عرصہ ہوا اس نے ترک کر دیا ہے۔''

www.ilmkidunya.com

(ii) دریائے چناب جس سے ایک رومانی داستان "سوہنی مہینوال" وابستہ ہے۔ مجھے دریا پر سے گزرتے ہوئے بے ساختہ مصطفیٰ زیدی کا شعر یاد آیا۔

کچے گھڑے نے جیت لی ندی چڑھی ہوئی
مضبوط کشتیوں کو کنارا نہیں ملا

(iii) دریائے جہلم کے بارے میں ہمارے محترم استاد نے ہمیں بتایا کہ "جہلم" سکندرِ اعظم کے گھوڑے کا نام تھا۔ اتفاق سے اس دریا کے کنارے وہ گھوڑا مر گیا تو سکندر نے اس دریا کو اس کے نام سے منسوب کر دیا۔ جہلم اور چناب کے دوآبے میں ہی سکندر اور راجہ پورس کے درمیان لڑائی ہوئی تھی۔

ابھی ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ ہماری بس جی ٹی روڈ سے ذیلی سڑک پر مڑ گئی اور تھوڑی ہی دیر میں ہم قلعہ روہتاس پہنچ گئے اور قلعہ کی وسعت دیکھ کر ہماری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ قلعے کے اندر ایک پورا قصبہ آباد تھا۔

ہم بس سے اترے۔ تھوڑی دیر قلعے کی فصیل کے ساتھ ساتھ چلے۔ جس وقت قلعہ تعمیر کیا گیا ہوگا ظاہر ہے اس میں کئی عمارتیں بنائی گئی ہوں گی لیکن اب تو شاہی دروازہ، ایک مسجد، مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بنائی ہوئی ایک عمارت اور ایک باؤلی باقی رہ گئی ہے۔ فصیل پر کھڑے ہوں تو دو اطراف میں دریا دکھائی دیتا ہے۔ قلعہ کی دفاعی اہمیت آج صدیاں گزر جانے کے بعد بھی قلعہ تعمیر کرنے والوں کی بصیرت کی گواہ ہے۔

قلعہ روہتاس میں ہم لوگوں نے تین چار گھنٹے گزارے۔ تصویریں بنائیں۔ کھانا کھایا۔ گھومے پھرے۔ تھوڑی دیر کرکٹ کھیلے اور پھر واپسی کا اعلان ہوا تو جی اداس ہو گیا۔ اتنی جلدی واپس جانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا لیکن واپس تو بہر حال جانا ہی تھا۔ بسوں پر سوار ہوئے۔ لاہور سے قلعہ روہتاس آتے ہوئے جتنا ہلہ گلہ کرتے ہم لوگ آئے تھے۔ سفر کی تھکاوٹ اور کھیل کود کے نتیجے میں واپسی کا سفر بڑی حد تک خاموشی سے گزرا۔

ہم لاہور پہنچے تو اندھیرا پھیل چکا تھا۔ کالج پہنچے اور وہاں سے گھر اور یوں ایک یادگار دن، ایک یادگار سفر مکمل ہوا جس میں تاریخی معلومات بھی حاصل ہوئیں اور تفریح بھی کی۔

11۔ کرکٹ میچ کی رُوداد

گذشتہ دنوں ہمارے کالج میں کھیلوں کا ہفتہ منایا گیا یوں تو کھیلوں کے مقابلوں میں سبھی کھیل شامل تھے۔ ہاکی، فٹ بال اور والی بال کے مقابلے بھی طلبا نے بڑے شوق اور ولولے سے دیکھے لیکن سب سے زیادہ انتظار کرکٹ میچ کا تھا۔ جو سائنس اور آرٹس کے طلبہ کے درمیان ہونا تھا۔

میں مقررہ وقت سے کافی دیر پہلے کرکٹ کے میدان میں پہنچ گیا، بہت سے طلبہ مجھ سے بھی پہلے آئے تھے۔ دونوں ٹیمیں نیٹ پریکٹس کرنے میں مصروف تھیں جسے سبھی طلبہ بڑی توجہ سے دیکھ رہے تھے تھوڑی دیر بعد ایمپائر گراؤنڈ میں تشریف لائے۔ دونوں ٹیموں کے کپتانوں کو بلایا گیا ان کے آنے پر ٹاس ہوا۔ آرٹس کی ٹیم کے کپتان کی ٹاس جیت لیا اور سائنس کے طلبہ کی ٹیم کو پہلے بیٹنگ کرنے کی دعوت دی۔ میچ شروع ہوا۔ پہلے ہی اوور میں دو کھلاڑی آؤٹ ہو گئے سائنس ٹیم کے حمایتیوں پر تو جیسے اوس پڑ گئی لیکن تیسری وکٹ کی شراکت میں وہ چوکے لگنے شروع ہوئے ہر طرف ایک شور اور ہنگامہ برپا ہو گیا۔ طلبہ اپنی نشستوں سے اُٹھ اُٹھ کر بیٹنگ کرنے والوں کو شاباش دے رہے تھے۔ میچ رفتہ رفتہ آگے بڑھنے لگا۔ بیس اوور کے میچ میں دیر ہی کتنی لگتی ہے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے میں بیس اوور مکمل ہوئے۔ نو کھلاڑی آؤٹ ہوئے جب کہ ایک سو بیالیس رنز کا ہدف مخالف ٹیم کو ملا۔

وقفے کے دوران میں کھلاڑی فروٹ اور مشروبات سے جی بہلاتے رہے، آدھے گھنٹے کے وقفے کے بعد آرٹس کے طلبا کی ٹیم کے اوپنر بیٹسمین تالیوں کے شور میں کھیل کے میدان میں داخل ہوئے۔ بالنگ کا آغاز ہوا۔ پہلے ہی بال پر کھڑکا لگا تو وہ شور مچا کہ کان پڑی آواز سنائی

www.ilmkidunya.com

نہیں دیتی تھی۔ پھر تو ہر بال پر اگر چھکا چوکا نہیں تو دو دو رنز ضروری بننے لگے۔ سائنس کے طلبہ کی ٹیم نے بڑی کوشش کی کہ رنز نہ بنیں یا جلد سے جلد مخالف ٹیم کے کھلاڑی آؤٹ ہو جائیں لیکن ان کی ایک نہیں چل رہی تھی۔ ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ میچ ان کے ہاتھ سے نکلتا چلا جا رہا تھا۔ کپتان بالنگ کرانے والوں کو ہدایات تو دے رہا تھا لیکن بیٹسمین تھے کہ رنز بنانے کی مشین بنے ہوئے تھے۔ دس اوور ختم ہوئے تو اٹھانوے رنز بن چکے تھے۔ لیکن پھر پے در پے وکٹیں گرنے لگیں۔ تھوڑی دیر کے لیے دونوں ٹیموں کے درمیان ایک توازن کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اب دونوں ٹیموں کے حمایتی برابر اپنی اپنی ٹیم کی ہمت افزائی میں مصروف ہو گئے۔ دونوں ٹیمیں ہی جیتنا چاہتی تھیں اور اُن کے حمایتی اس سے بھی زیادہ پرجوش تھے۔ چھٹی وکٹ کی شراکت میں ایک دفعہ پھر رنز کی رفتار تیز ہو گئی۔ پندرھویں اوور کے اختتام تک میچ کے نتیجے کا اندازہ ہو گیا کہ آرٹس کے طلبہ کی ٹیم یقینی فتح کے قریب ہے لیکن کرکٹ میں تو ایک ایک بال کی اہمیت ہوتی ہے اور پھر ضرب المثل بھی تو ہے کہ جب تک سانس تب تک آس۔ بالرز میچ بچانے کی سرتوڑ کوشش کر رہے تھے لیکن اُن کی کوششیں بار آور ثابت نہ ہوئیں اور اٹھارویں اوور کے پہلے بال پر لگنے والے چوکے نے آرٹس کے طلبہ کی ٹیم کو میچ جتوا دیا۔ جیتنے والی ٹیم گراؤنڈ میں پہلے تو خدا کے حضور سربسجود ہوئی اور پھر خوشی سے ناچنے لگی۔

پرنسپل صاحب نے جیتنے والی ٹیم کو ٹرافی عطا کی اور طلبہ کو کھیلوں کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی اور تاکید کی سبھی طلبہ کسی نہ کسی کھیل میں ضرور شریک ہوا کریں کیوں کہ ایک صحت مند ذہن کے لیے ایک صحت مند جسم کی ضرورت ہوتی ہے۔ کھیلوں کے ہفتے کا یہ آخری مقابلہ تھا۔ پرنسپل صاحب نے اگلے دن کی چھٹی کا اعلان فرمایا تو سبھی طلبہ خوشی کے مارے زور زور سے تالیاں بجاتے ہوئے گھروں کو روانہ ہوئے۔ میں بھی اپنے دوستوں کے ساتھ میچ پر تبصرہ کرتے ہوئے گھر کو چل پڑا۔

12۔ مقابلہ حُسنِ نعت کی رُوداد (بورڈ 2019ء)

نبی آخر الزماں ﷺ سے محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے۔ اللہ، اس کے فرشتے اور مسلمان آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ مسلمان مدحتِ رسولِ مقبول ﷺ کی تقریبات منعقد کرتے ہیں اور منظوم ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ ہمارے کالج میں ہر سال محفلِ نعت منعقد ہوتی ہے۔ اس سال بھی صبح دس بجے ڈاکٹر نثار آڈیٹوریم میں ایک پروقار تقریب منعقد ہوئی۔ نقابت کے فرائض اُردو کے اُستاد نے سرانجام دیے۔ مہمان خصوصی وزیرِ تعلیم تھے۔ صدارت کالج کے پرنسپل صاحب نے کی۔ تقریب کا باقاعدہ آغاز تلاوتِ کلامِ پاک سے ہوا۔ کالج کے طالب علم حافظ گلزار احمد نے قرآن مجید کی چند آیات کی تلاوت کی۔ ان آیات میں رسول ﷺ سے محبت کو اللہ کی محبت کا ذریعہ بتایا گیا تھا۔ پرنسپل صاحب نے تعارفی کلمات میں رسولِ پاک ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے چند گوشوں کا ذکر کیا اور حضرت محمد رَّسُوْلُ اللّٰہِ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ ﷺ کی عظمت و رفعت کا تذکرہ کیا۔ اس کے بعد مقابلہ حسنِ نعت کا آغاز ہوا۔ حسن مجتبیٰ نے خوبصورت طرز پر نعت پیش کی۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا کلام اور حسن مجتبیٰ کی آواز، یادگار منظر تھا۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

حسن مجتبیٰ کے بعد بلال رضا نے خوش الحانی سے نعت پڑھی سماں باندھ دیا۔ حاضرین مسحور ہو گئے۔

مدینے کا سفر ہے اور میں نمدیدہ نمدیدہ
جبیں افسردہ افسردہ قدم لغزیدہ لغزیدہ

جب وہ اس شعر پر پہنچے تو نگاہِ عشق و مستی میں نمی اتر آئی۔

بصارت کھو گئی لیکن بصیرت تو سلامت ہے
مدینہ میں نے دیکھا ہے مگر نادیدہ نادیدہ

اس خوبصورت نعت کے بعد عبداللہ نے نعت رسول ﷺ مقبول پیش کی۔ خوش الحانی اور خوبصورت کلام کا حسین امتزاج سامنے تھا۔

ان کے ہو جاؤ تو ہر چیز تمھاری ہو گی
سارے اعزاز فضیلت والے سرکار کی نسبت سے ملا کرتے ہیں

کاش وہ لمحہ بھی آجائے کہ ہم سب سے کہیں
کوئے طیبہ ہے ٹھکانا اپنا آج کل ہم بھی مدینے میں رہا کرتے ہیں

عبداللہ کے بعد سالِ دوم کے طالب علم ابوبکر نے خوب صورت کلام اور دل نشین آواز کے ساتھ مظفر وارثی کا منظوم ہدیۂ عقیدت بحضور سرورِ کونین ﷺ پیش کیا۔

تُو حقیقت ہے، میں صرف احساس ہوں
تُو سمندر، میں بھٹکی ہوئی پیاس ہوں
میرا گھر خاک پر اور تیری رہگزر
سدرۃُ المنتہا
تُو کُجا، من کُجا

بہت سے طلبہ نے بحضور سرورِ کونین ﷺ عقیدت کے پھول نچھاور کیے۔ منصفین کے فرائض اسلامیات کے اساتذہ سرانجام دے رہے تھے۔ بلال رضا، حسن مجتبیٰ اور عبداللہ کو بالترتیب اوّل، دوم، سوم انعام کا حقدار قرار دیا گیا۔ مہمانِ خصوصی نے انعامات تقسیم کیے۔ مہمانِ خصوصی نے رسول ﷺ کے اسوۂ کامل کی پیروی کو دنیوی اور اخروی نجات کا ذریعہ قرار دیا۔ زندگی کا کوئی شعبہ ہی کیوں نہ ہو حضرت محمد رَّسُولُ اللّٰہِ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ ﷺ کی زندگی میں سب کے لیے مکمل نمونہ موجود ہے۔ آخر میں حاضرینِ محفل کی کھانے پینے کے مختلف لوازمات سے تواضع کی گئی۔ دو گھنٹے بعد یہ محفل اختتام پذیر ہوئی۔

13۔ شادی کی تقریب کی رُوداد

شادی کا مطلب ہے خوشی، نکاح کی خوشی کا جشن۔ نکاح سنتِ رسول ﷺ ہے۔ شادی کی تقریب معاشرتی اور علاقائی رسم و رواج اور مذہبی رسوم کے امتزاج سے منعقد ہوتی ہے۔ ہمارے خطے میں شادی کی تقاریب سوائے نکاح کے پاک و ہند کی ثقافت کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔ شادی سے گھر آباد ہوتا ہے۔ یہ پیامِ بہار ہوتی ہے۔ انسانی نسل آگے بڑھتی ہے۔ اسی لیے شادی کی تقریب دھوم دھام سے منعقد ہوتی ہے۔

دوستی میں خوشی غمی کا برابر کا ساتھ ہوتا ہے۔ میرے عزیز دوست ارشد کی شادی پچھلے سوموار کو طے پائی تھی۔ گھر میں ایک ہفتے سے میلے کا سماں تھا۔ مہندی کی شاندار تقریب منعقد ہوئی تھی جس میں بینڈ باجے، آتش بازی اور لذیذ پکوانوں کا بہترین انتظام تھا۔

شادی کی تقریب پرل کانٹی نینٹل ہوٹل کے برانڈل ہال میں منعقد ہوئی۔ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد مدعو تھے ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ صحافی، اداکار، دانشور، سیاستدان، اساتذہ اور خاندان کے افراد زرق برق ملبوسات میں تقریب کو چار چاند لگا رہے تھے۔ دلھا دلھن کی آمد پر موسیقی کے بینڈ نے خوبصورت دھنوں سے استقبال کیا۔ مختلف معروف نغموں کی دھنیں کانوں میں رس گھول رہی تھیں۔ دلھا دلھن تشریف لائے تو تمام افراد کی نگاہیں سٹیج پر مرکوز ہو گئیں۔ دلھے نے ہلکے نیلے رنگ کی دلکش شیروانی اور سرخ رنگ کا کلّہ پہن رکھا تھا۔ خوبصورت سنہری کُھسہ پہن رکھا تھا۔ اچکن کے نیچے سفید لٹھے کا خوبصورت لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ گلے میں حسین مالا تھی۔ دلھن سنہری رنگ کے لہنگے میں

ملبوس تھی۔ کانوں میں سونے کی خوبصورت بالیاں، ماتھے پر جھومر، ناک میں نتھلی، گلے میں ہار اور کلائیوں میں کڑوں کے ساتھ خوبصورت باز و بند تھے۔ گویا آسمان کے ستارے زمین پہ اتر آئے تھے۔ نوجوانوں کی تصویر کشی کا عمل مختلف مراحل میں تھا۔ بچوں کی ٹولیاں تقریب کے حسن میں اضافہ کر رہی تھیں۔ مہمان میزوں پہ متمکن تھے۔ مہمانوں کی میزوں کے اردگرد انواع اقسام کے کھانوں کو چنا گیا تھا۔ طرح طرح کے پکوانوں سے طرح طرح کی فرحت بخش خوشبو آ رہی تھی جو اشتہا کو بھڑکا رہی تھی۔ مٹن کڑاہی، مٹن روسٹ، چکن قورما، چکن بریانی، روسی سلاد، دیسی کھیر، کابلی پلاؤ، لذیذ فروٹ چاٹ، مشروبات غرض ضیافت کا عمدہ انتظام تھا۔ آرکسٹرا خوبصورت دھنیں بکھیر رہا تھا۔ اس سے پہلے باہر آتش بازی کا شاندار مظاہرہ ہوا تھا اور مہمانوں کا فقید المثال استقبال میرے دوست کے اہلِ خانہ نے ذوق وشوق سے کیا تھا۔ مہمان مختلف میزوں اور صوفوں پر اٹھ اٹھ کر ایک دوسرے کے پاس بغرضِ ملن جاتے رہے۔ دودھ پلائی کی رسم میں لڑکیوں نے دلھا سے مرضی کے پیسے وصول کیے۔ مشرقی رسم ہے کہ دلھا اور دلھن کو سلامی کی رقم پیش کیا جاتی ہے۔ مختلف مہمان رشتے کی قربت اور تعلق کے اعتبار سے حسبِ حیثیت سلامی پیش کر رہے تھے۔

ایک گھنٹے بعد نکاح کی رسم ادا کی گئی۔ دلھا دلھن نے دل وجان سے ایجاب وقبول کے مراحل طے کیے۔ آج میرے دوست نے نکاح خواں کی طلب پہ چھ کے چھ کلمے سنا کر سب کو حیران کر دیا۔ دلھا کی طرف سے دلھا کے والد اور میں نے گواہان کے دستخط کیے اور دلھن کی طرف سے اس کے والد اور بھائی نے یہ فرض ادا کیا۔ رسم نکاح کے بعد انواع واقسام کے کھانوں سے مہمانوں کی تواضع کی گئی۔ کھانے کا دورانیہ دو گھنٹے پہ محیط تھا۔ ضیافت کے بعد دلھن کی رخصتی کا عمل وقوع پذیر ہوا۔ دلھن اپنے آبائی خاندان سے بچھڑتے وقت آبدیدہ ہوگئی۔ یہی حال اس کے گھر والوں کا بھی تھا۔ دلھن کی دلھا کے ہمراہ رخصتی کے بعد مہمانوں کی رخصتی بھی شروع ہوئی۔ سب اپنی اپنی سواریوں پہ اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔ مجھے چوں کہ دوست نے تین دن کے لیے مدعو کر رکھا تھا۔ اس لیے میں دلھا کے گھر مردانہ حصے پہنچا تا کہ گھر آئے مہمانوں کی دیکھ بھال کر سکوں۔ یہ نظر کو خیرہ کرنے والی تقریب تھی جو مجھے مدتوں یاد رہے گی۔

14۔ یومِ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی رُوداد

قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کے مسلمانوں نجات دہندہ تھے۔ ان کی قیادت میں اس خطے کے مسلمان آزادی کی نعمت سے بہرہ ور ہوئے۔ ان کا یومِ پیدائش قومی جوش وجذبے سے منایا جاتا ہے۔ اس سال بھی کالج میں 25 دسمبر کو یومِ قائد رحمۃ اللہ علیہ ملی جذبے سے منایا گیا۔ اس سلسلے میں ایک پروقار تقریب کا انتظام کیا گیا۔ جس کا نمایاں پہلو صبح دس بجے سکول آڈیٹوریم میں منعقد ہونے والا جلسا تھا جس میں ممتاز دانشوروں کو مدعو کیا گیا تھا۔

تقریب کے سٹیج سیکرٹری اُردو کے استادِ محترم تھے۔ صدارت کے فرائض کالج کے صدرِ معلم نے سرانجام دیے۔ تقریب کے مہمانِ خصوصی وزیر اعلیٰ پنجاب تھے۔ تقریب کا باقاعدہ آغاز تلاوتِ قرآن پاک سے ہوا۔ اس کے بعد نعتِ رسول مقبول ﷺ پیش کی گئی۔ مقررین نے قیامِ پاکستان کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالی اور ان مقاصد کے حصول کے لیے قائد رحمۃ اللہ علیہ کی شبانہ روز کوششوں کو اُجاگر کیا۔

ممتاز دانشور ڈاکٹر مہدی حسن نے کہا کہ اگر مسلمان الگ وطن حاصل نہ کرتے تو نظریاتی اور قومی طور پر ان کا وہی حشر ہوتا جو بھارت کے مختلف علاقوں گجرات، دہلی، راجستھان وغیرہ میں ہو رہا ہے۔ قائد رحمۃ اللہ علیہ کو اعزاز حاصل ہے کہ انھوں نے ناممکن کو ممکن کر کے دکھایا۔

ڈاکٹر صفدر محمود نے کہا کہ پاکستان ناگزیر تھا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے پاس کوئی راستہ نہ تھا۔ ملک نہ بنتا تو ہندو قوتیں انھیں ملیامیٹ کر دیتیں۔ محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کی مسلم تاریخ کے عظیم ترین راہنما تھے۔ مسلمان 1757ء کی جنگ پلاسی میں سراج الدولہ رحمۃ اللہ علیہ کی زیرِ قیادت ناکام ہو چکے تھے۔ 1799ء میں ٹیپو سلطان رحمۃ اللہ علیہ شہید ہو چکے تھے۔ 1831ء میں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ انگریزوں کو نکالنے میں ناکام ہو چکے تھے۔ 1857ء میں مسلمانوں کی انگریزی اقتدار سے آزادی حاصل کرنے کی کوشش کامیاب نہ ہو سکی تھی۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ جو کام مندرجہ بالا قائدین مسلح جدوجہد کے ذریعے سرانجام نہ دے سکے وہ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بغیر ہتھیار اٹھائے کر کے دکھایا اور انگریزوں کو نکال باہر کیا۔ یوں وہ مسلم برصغیر کے سب سے عظیم مسلم راہنما تھے۔ وہ حقیقت میں قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

ڈاکٹر رسول بخش رئیس نے قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شخصی اوصاف پر روشنی ڈالی۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نہ بکنے والی اور نہ جھکنے والی شخصیت تھے۔ وہ خوش پوش

www.ilmkidunya.com

انسان تھے۔ان کی سیاست تشدد سے پاک تھی۔اصول پسند انسان تھے۔مسلسل جدوجہد پر یقین رکھتے تھے۔ان کا مقولہ ''کام، کام اور صرف کام'' ان کی انتھک محنت کا عکاس ہے۔

پروفیسر زاہد لودھی نے کہا کہ قیام پاکستان کے بعد ابتدائی مسائل پر قابو پانا قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ ہی کا خاصہ تھا۔ پاکستان بننے کے بعد یہاں لاکھوں مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ تھا۔اداروں کی تنظیم کا مسئلہ تھا۔قانون سازی کا مسئلہ تھا۔مالی مسائل تھے۔قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے خرابی صحت کے باوجود ان مسائل پر قابو پایا۔

نظریہ پاکستان ٹرسٹ کے چیئرمین اور سابق صدر رفیق تارڑ نے قیامِ پاکستان کے تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالی اور اس سلسلے میں قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی انتھک جدوجہد کے مختلف پہلو بیان کیے۔

صدرِ مجلس وزیراعلیٰ پنجاب نے کہا کہ ہماری نسلیں قائد کی ممنون احسان ہیں جن کی بدولت ہمیں آزادی نصیب ہوئی۔ہمیں قائد رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ان مقاصد کو حاصل کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھنی چاہیے جن کے لیے یہ وطن حاصل کیا گیا تھا۔نوجوان طلبہ کو تحریکِ پاکستان، تاریخِ پاکستان، قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھیوں کی قومی جدوجہد سے آگاہ ہونا چاہیے۔تقریب کے آخر میں محفل کے شرکا کے لیے پرتکلف دعوت کا اہتمام تھا۔یوں کھانے کے بعد یہ محفل اختتام پذیر ہوئی۔

15۔ عیدالاضحیٰ کے دن کی رُوداد (بورڈ 2022ء)

عیدالاضحیٰ مسلمانوں کا بڑا مذہبی تہوار ہے۔یہ دس ذوالحجہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کی یاد میں منایا جاتا ہے۔زندہ قومیں اپنے تہوار جوش و خروش سے مناتی ہیں۔مسلمان بھی عیدالاضحیٰ مذہبی جوش و جذبے سے مناتے ہیں۔عیدالاضحیٰ کو بڑی عید، قربانی کی عید، بقرہ عید بھی کہا جاتا ہے۔اس دن اللہ کے لیے جانور قربان کیے جاتے ہیں اور گوشت کو اپنے، رشتہ داروں اور غربا کے تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔اللہ کا فرمان ہے کہ اللہ کو تمھارے جانوروں کا خون اور گوشت نہیں پہنچتا بلکہ تمھارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

اس برس بھی عیدالاضحیٰ جوش و خروش سے منائی گئی۔صبح کا آغاز اللہ کی عبادت سے ہوا۔غسل کر کے تیار ہو کر بچے جوان بوڑھے عید گاہوں میں پہنچے، عید کے بڑے بڑے روح پرور اجتماعات منعقد ہوئے۔عید گاہوں میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔آئمہ کرام نے اپنے خطبات میں فلسفۂ قربانی پہ روشنی ڈالی اور حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام کی عظیم الشان قربانی کو خراجِ عقیدت پیش کیا جانور قربان کرنے کے ساتھ اپنے نفس، اپنی خواہشات، اپنی انا، اپنے غصے کی قربانی کا درس دیا۔یہاں لوگ گلے ملے، ان لوگوں سے بھی ملاقات ہوئی جو ملازمت یا کام کے سلسلے میں دوسرے شہروں میں مقیم ہیں یا بیرون ملک ہوتے ہیں۔سنت کے مطابق لوگ ایک رستے سے عید گاہ گئے دوسرے راستے سے واپس آئے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں سے ملاقات ہو سکے۔

نمازِ عید کے بعد لوگ گھروں کو لوٹے۔جانور قربان کرنے کا سلسلہ شروع ہوا۔جگہ جگہ بکرے، دنبے چھترے، گائے، اونٹ، بیل، بھینسے کی قربانی کی جا رہی تھی۔ذبح کرنے کے بعد گوشت بنانے کا سلسلہ شروع ہوا۔گوشت تیار ہونے کے بعد اس کے حصے بننے شروع ہوئے۔گھر، اعزہ اور غربا کے حصے بننے کے بعد گوشت تقسیم ہوا۔قربانی کرنے والوں نے رشتہ داروں اور غربا کے گھر گوشت پہنچایا۔گھروں میں طرح طرح کے پکوان تیار کیے گئے۔کلیجی بنائی گئی۔گھر گھر میں کڑاہی گوشت بنا۔بریانی بنی۔قورمہ تیار ہوا۔باربی کیو تیار ہوا۔عام دنوں سے زیادہ گوشت پکایا اور کھایا گیا۔اعزہ و اقربا کی دعوتیں کی گئیں۔خاندانوں نے مل بیٹھ کر دعوت سے لطف اٹھایا۔سہ پہر کو پارکوں، باغوں، میں خوب گہما گہمی تھی۔لوگ کھانے پکا کر، کھا کر اور ساتھ لے کر پارک آئے ہوئے تھے۔ہر طرف چٹائیاں بچھائے لوگ بیٹھے تھے۔بچے کھیل رہے تھے۔جوان بیڈمنٹن، کرکٹ کھیلنے میں مصروف تھے اور بڑے بوڑھے خوش گپیوں میں محو تھے۔

میڈیا پر مختلف پروگرام پیش کیے گئے۔سٹیج شو تھے۔ڈرامے تھے۔دن بھر کی روداد سنائی دکھائی جا رہی تھی۔مقررین نے قربانی کے حوالے سے اللہ رسول ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں قربانی کی عظمت اور غربا کی مدد کے حوالے سے اظہار خیال کیا۔عیدالاضحیٰ کی مناسبت سے مزاحیہ مشاعرے نشر کیے گئے جن میں بکروں دنبوں کی تمثیل کی مدد سے لطیف نکات کو منظوم کیا گیا تھا۔رپورٹر پورے ملک سے اس دن کی رپورٹ پیش کر رہے تھے۔یہ بڑا دن بڑے جوش و خروش سے منایا گیا۔

www.ilmkidunya.com